واتبع سبیل من اناب الی (القرآن)

INSTITUTE OF ISLAMIC STUDIES

موجِ فکر

تالیف:

محمد شریف سیالوی

4212

ناشر:

ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ (رجسٹرڈ)، راولپنڈی

Marfat.com

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

علمی، فکری و اصلاحی مضامین کا مجموعہ

۴۲۱۲

موجِ فکر

تالیف

محمد شریف سیالوی

ایم اے، ایل ایل بی، ایل ایل ایم

ناشر

ادارہ تعلیمات اسلامیہ (رجسٹرڈ)

پوسٹ بکس ۸۶۹، راولپنڈی

TUFAIL BOOK DEPOT
Deen Road, Rawalpindi

طفیل بک ڈپو ... راولپنڈی

Marfat.com

87802

جملہ حقوق محفوظ ہیں

نام کتاب ـــــــ موجِ فکر
نام مصنف ـــــــ محمد شریف سیالوی، ایم اے ایل ایل بی، ایل ایل ایم
کتابت ـــــــ افضل منیر
سال اشاعت ـــــــ اپریل ۱۹۸۲ء
تعداد ـــــــ ایک ہزار
ناشر ـــــــ ادارہ تعلیمات اسلامیہ (رجسٹرڈ) راولپنڈی
قیمت ـــــــ چھ روپے

بنیادی عقیدہ

اللہ ہمارا رب ہے اور منزہ عن العیوب ہے۔
محمد صلی اللہ علیہ وسلم اللہ کے رسول ہیں۔ اور معصوم عن الخطاء ہیں۔
قرآن مجید خدا کی کتاب، ہمارا ضابطۂ حیات اور بے عیب کلام ہے۔

انسان خطاؤں اور لغزشوں کا پتلا ہے۔ اس حیثیت سے بہرحال یہ امکان رہتا ہے کہ وہ لکھتے ہوئے پھسل جائے۔ ـــــ اگر آپ اشارۃً یا صراحۃً کسی بھی انداز میں ہمارے درج بالا بنیادی عقیدہ کو مجروح ہوتا ہوا پائیں تو اس کو ہماری ذاتی کمزوری متصور کرتے ہوئے قلم زد کر دیجئے ـــــ ہم اپنی عزت، مقام اور جھوٹی انا کے مقابلہ میں ایمان کو بہر صورت ترجیح دیتے ہیں۔

Marfat.com

فہرست مضامین

نمبر شمار	عنوانات	صفحہ
۱	قرآن اور تصورِ عدل	۵
۲	ہادیٔ برحق اور تربیتِ نفس	۱۵
۳	تصورِ حکمت	۲۰
۴	نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ـــ چند بنیادی اصطلاحیں	۲۶
۵	نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ـــ معاشی نظام	۳۲
	نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم ـــ خارجہ پالیسی	۴۳
۷	اسلام کا نظامِ تعلیم	۵۲
۸	شخصی ملکیت اور حقِ ریاست	۶۵
۹	اسلامی نظامِ حکومت اور خلفائے راشدین	۷۴
۱۰	پردہ ـــ اخلاقی و نفسیاتی ضرورت	۸۲
۱۱	قانون اور احترامِ قانون	۹۰
۱۲	بیمہ اور اس کی شرعی حیثیت	۹۷

Marfat.com

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

زیرِ نظر مجموعۂ مضامین زمانۂ طالب علمی کی یادگار ہے۔ جن میں سے بعض "ترجمان اہلسنت" اور "سوئے منزل" میں شائع ہوئے ہیں۔ اکثر ایسے مضامین ہیں جو طلبہ ساتھیوں کے لئے لکھے گئے ہیں۔ گو تحقیق کے اعتبار سے مضامین خاصے تشنہ ہیں، لیکن بایں ہمہ تنوع اور اسلوب کے لحاظ سے طلبہ کے لئے مفید ثابت ہوں گے۔

میں ارباب ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ کا انتہائی ممنون ہوں۔ جن کی مخلصانہ مساعی اور علم دوستی سے یہ مجموعہ زیورِ طبع سے آراستہ ہوا۔ اللہ رب العزت اپنے محبوب پاک علیہ الصلوٰۃ والسلام کے طفیل فکرِ صالح اور نیک عمل کی توفیق بخشے۔ "آمین"

احقر العباد

محمد شریف سیالوی

ایم اے، ایل ایل بی، ایل ایل ایم۔

اسلام آباد

۲۳ مارچ سنہ ۱۹۸۳ء

Marfat.com

قرآن اور تصوّرِ عدل

کرہ ارض پر حصولِ انصاف سے بڑھ کر کوئی ضرورت نہیں۔ دادرسی اور عدل گستری سے بڑھ کر کوئی نیکی نہیں۔ وہی خیر الامم ہے جو قیامِ عدل و انصاف کے عظیم مشن پر مامور ہے جس کا آئینِ زندگی عدل کی حکمرانی اور رنگ و تارِ حیات کا مرکز قانونِ عدل کا نفاذ ہے۔

نظامِ اسلام ———— نظامِ عدالت ہے

اور امتِ مسلمہ ———— امتِ شہادت ہے

ملتِ اسلامیہ بحیثیت "خیرِ امت" "شہادت" کا تاجِ کرامت سجائے عدل و انصاف کو برپا کرنے کے لیے منجانب اللہ مامور ہے۔ قرآن عظیم پکار پکار کر کہہ رہا ہے۔ ابین تذھبون ان ھو الا ذکر للعالمین (۸۱-۲۶-۲۷) تم کہاں جا رہے ہو۔ سرچشمہ حکمت تمہارے سامنے ہے اس کی موجودگی میں تشنہ لبی کا عالم باعثِ حیرت و استعجاب ہے۔ قول و فعل کے تضاد نے تمہاری شخصیت میں بگاڑ پیدا کر دیا ہے۔ افراد کی شخصیت (PERSONALTY) جب خواہشاتِ نفس سے ایک طرف جھک جاتی ہے۔ عقل و فہم توازن قائم کرنے کے لیے مناسب اقدام نہیں کرتے۔ تو پورا معاشرتی ڈھانچہ غیر متوازن ہو کر رہ جاتا ہے۔ بے انصافی کی یہ کیفیت تمام برائیوں کی جڑ اور ظلم و فساد کی بناء ہے۔ اسلام کا تقاضا یہ ہے کہ اس ناہمواری اور ظلم و تعدّی کی کیفیت کو قانونِ معدلت کے نفاذ سے دور کیا جائے۔ نظامِ عدالتِ اسلام اس کی مکمل طور پر ضمانت دیتا ہے۔

اس سے قبل کہ نظامِ عدالت اور قیامِ انصاف کے موضوع پر اسلام کا نقطۂ نگاہ پیش کیا جائے فکری اور عقلی بنیادوں پر نظریہ عدل (CONCEPT OF JUSTICE) کی تحلیل ضروری ہے۔ عدل کے لغوی معنی ایسی برابری کے ہیں۔ جو توازن پر مشتمل ہو۔ قدیم عربی ادب میں عدل البعیر سے مراد

Marfat.com

وہ سامان لیا جاتا تھا۔ جو اونٹ کی پیٹھ پر لادا جاتا اور اس کی دونوں جانب برابر برابر ہوتی۔ دوسرا ٹیڑھی لکڑی کو گرم کرکے بھاری پتھر کے ذریعے سیدھا کرنے کے لیے عدل کا لفظ استعمال کیا جاتا۔ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے خطبہ خلافت میں فرمایا۔ اذا ملت عدّلونی کما یعدّل السہم فی الثقاف (تاج العروس۔ عدل) اگر میں کج روی اختیار کروں تو مجھے ایسے سیدھا کردو۔ جیسے تیر مضبوط بھاری پتھر کے نیچے رکھ کر سیدھے کیے جاتے ہیں۔

قرآنِ مجید میں عدل اور اس کے مشتقات کثرت سے استعمال ہوتے ہیں ماہرینِ لغتِ قرآن اور مفسرین کرام نے سیاق کے اعتبار سے جو معانی مراد لیے وہ یہ ہیں۔

۱۔ توازن ۲۔ تناسب ۳۔ تاوان ۴۔ ٹھیک ۵۔ صاف واضح ۶۔ ہم آہنگی ۷۔ انصاف ۸۔ مساوات برابری۔ قرآنِ مجید میں عدل کے مترادفات (ہم معنیٰ) اور اس کے قریبی مضمون میں القسط، الوسط۔ المیزان، اعتدال، مستقیم، قسطاس، تقدیر اور ان کے مشتقات وغیرہ ہیں۔

قرآنِ مجید کے اسلوب بیان اور ان شواہد سے جو نظریہ عدل سمجھ میں آتا ہے اپنے اجزائے ترکیبی اور ماہیت کے اعتبار سے جملہ متذکرہ معانی پر محیط ہے۔ یہی قرآن مجید کا اعجاز ہے اور یک ایک کلمہ علم و معرفت اور دانش و بینش کا بحرِ عمیق ہے۔ علماء کرام نے اس تصورِ عدل کو وضع الشئی فی موضعہ ترجمہ:۔ کسی چیز کا اپنی جگہ میں رکھنا) تعبیر کیا۔ یوں عدل سنۃ الٰہیہ ہے۔ یہ وہی ذات ہے جس نے کائنات کو تخلیق فرمایا۔ ہر چیز کو اس کی مناسب ترین جگہ (FITTEST PLACE) پر رکھا۔ ایک کامل ہم آہنگی اور توازن کو اصول روح کائنات بنایا۔

---

* "SUITABLE THING FOR A SUITABLE PLACE" ایسا فلسفہ ہے جو افراد کی اہلیت و صلاحیت کی نسبت اس کا معاشرہ میں مقام تعین کرتا ہے تاکہ اجتماعی توازن برقرار رکھا جائے اردو کا مقولہ ہے "جس کا کام اسی کو ساجھے"، فصاحت و بلاغت عبادت وضع الکلام موضعہ سے یعنی مقتضائے حال اور موقع و محل کی مناسبت سے زبان و بیان کا استعمال۔ علم حیاتیات (BIOLOGY) میں (SURVIVAL OF THE FITTIST) قانونِ قدرت مانا جاتا ہے۔ القرآن وانبتنا فیہا من کل شئ موزون۔ ترجمہ اور اس میں ہر چیز اندازے سے اگائی (۱۵-۱۹)

Marfat.com

۶۔ آسمان کی بلندی، زمین کی وسعت، رات کا آنا اور دن کا جانا، ہواؤں کا چلنا اور بادلوں کا برسنا، غنچوں اور کلیوں کا چٹخنا، سورج کی ضیا پاشیاں اور آفتاب کی نور باریاں، رونق باغات اور طائرانِ خوشنوا، شہد کی مکھی کا انہماک اور مرغان صبحگاہی کی خوش الحانیاں، کس کس مظہرِ قدرت باری کا تذکرہ کیا جائے۔ کس نعمت کو آخری آیت قرار دیا جائے۔ کوئی ایسی جگہ نہیں جہاں اُس کی حکمت کا اظہار نہ ہوتا ہو۔ کتاب ہستی کا کوئی ایسا ورق نہیں جہاں اس کے عدلِ تکوینی شواہد نہ ہوں۔ اپنی نگاہ دوڑا لیجئے۔ کائنات کا ذرہ ذرہ چھان ماریئے۔ افلاک و اجرام میں سے ہر ایک کا مشاہدہ کیجئے کیا تمہیں کہیں بگاڑ نظر آتا ہے۔ کیا عدم توازن کا رنگ دکھائی دیتا ہے۔ بدنظمی اور اعتدال سے انحراف کا نشان ملتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں۔ ایک کامل ہم آہنگی، مکمل توازن اور افراط و تفریط سے مبرا، کائنات کا ہر جزو قانون عدل کی نگرانی میں اپنے کل کے ساتھ مل کر مصروف کار ہے۔ قرآن عظیم بار بار دعوت دیتا ہے "ماتریٰ فی خلق الرحمٰن من تفٰوتٍ ط فارجع البصر ھل تریٰ من فطور"۔ ترجمہ تو رحمٰن کے بنانے میں کیا فرق دیکھتا ہے تو نگاہ اٹھا کر دیکھ کوئی رخنہ نظر آتا ہے۔ ۶۷-۳ (عظیم خدا کی عظیم کائنات قانون عدل کی تابع ہے۔ عدلِ تکوینی کے اِن کونیاتی مظاہر پر غور و فکر کے علاوہ انسان کی ذات میں غور و فکر کی دعوت دیتے ہوئے قرآن مجید فرماتا ہے۔

وفی انفسکم افلا تبصرون (۵۱-۲۰) ترجمہ:۔ اور خود تم میں، تو کیا تمہیں سوجھتا نہیں۔ تخلیق انسان کا وقت آیا۔ اسے حسین صورت اور فضل و علم عطا کیا۔ بحر و بر اس کے زیر نگین کیے۔ شرافت و کرامت کا تاج اُس کے سر پر رکھا اور اپنے قانونِ عدل سے اُس کے اجزائے ترکیبی میں حسین امتزاج اور خوبصورت توازن پیدا کیا۔ تعجب ہے کہ انسان قانونِ عدل سے اغماز برت کر خواہشات نفس کی طرف جھک جاتا ہے اور اپنی شخصیت کا توازن کھو بیٹھتا ہے۔ اللہ کریم اپنے اسی بندے کو کمالِ رحمت سے اِس نقصان اور دھوکے سے خبردار کرتا ہے "یاایھا الانسانُ ماغرّکَ بربکَ الکریم ہ الذی خلقکَ فسوّٰکَ فعدلکَ ہ فی اَیِّ صورۃٍ ماشاءَ رکبکَ" (القرآن ۸۲-۶)

Marfat.com

ترجمہ:۔ اے آدمی تجھے کس چیز نے فریب دیا۔ اپنے کرم والے رب سے۔ جس نے تجھے پیدا کیا۔ پھر ٹھیک بنایا پھر ہموار فرمایا۔ جس صورت میں چاہا تجھے ترتیب دیا) ایسا محسوس ہوتا ہے کہ قانونِ عدل سنت خداوندی ہے۔ کیونکہ وہی صیحح معنوں میں "عادل" ہے اُس کی سنت اور اُس کا قانون اٹل اور غیر متبدل ہے۔ ولا تجدُ لسُنّتنا تحویلاً (القرآن۔ ۱۷۔ ۷۷) ترجمہ۔ اور تم ہمارا قانون بدلتا نہ پاؤ گے۔

جس طرح تخلیق و تکوین میں قانون عدل صرف اور صرف خدا تعالیٰ ہی کا کارفرما ہے اسی طرح تشریعی امور میں بھی قانون عدل اسی ذات کبریا کا واجب النفاذ ہے۔ خلق وامر دونوں پر قانون سازی اور حکمرانی کا استحقاق بھی اسی ذات واحد ویکتا کے لائق ہے۔ اِنَ الحکمُ اِلّا لِلّٰہِ (القرآن ۶۔ ۵۷) ترجمہ:۔ حکم نہیں مگر اللہ کا۔ امر خداوندی اور سنت الٰہیہ جو کائنات کے نظم ونسق اور ربط و ضبط کے ضمن میں جاری ہے۔ قانونِ فطرت (NATURAL LAW) پر مبنی ہے جو مکمل توازن کامل ہم آہنگی عظیم توافق باہمی اور حسین اعتدال سے عبارت ہے اور وہ اوامر جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں اخلاقی قدروں کو متعین کرتے ہیں۔ اخلاقی منوالی قوانین NORMATIVE ETHICAL LAWS کہلاتے ہیں۔ جیسے کائنات کی حیات وبقاء قانونِ عدل کی اتباع میں ہے۔ انسانی فوز و فلاح اور حقیقی حیات بھی قانونِ عدل کو تسلیم کر لینے میں ہے۔ اس عدل کی نسبت سے اخلاقیات اور سیاسیات، عمرانیات اور اقتصادیات الگ الگ قانون میں نہیں بٹ جاتے بلکہ یہ سب مل کر ایک کُل بناتے ہیں۔ اِس قانون کے سامنے انفرادیت اور اجتماعیت کی دھڑ بندیاں بے معنی ہو جاتی ہیں۔ اخلاق اور قانون ایک دوسرے کی تکمیل کرتے ہیں۔

انسان دوسرے موجودات کائنات سے ایک اعتبار سے مختلف ہے وہ یہ کہ اللہ تعالیٰ نے اسے حریت ارادہ اور آزادی عمل دی کتاب عدل (قرآن مجید) اور انبیاءِ کرام کے ذریعے حق و باطل کے امتیاز کی دولت مرحمت فرمائی اور کرہ ارض کے مکینوں سے فرمایا کہ ھَدَیْنٰہُ السَّبِیْلَ اِمّا شاکراً و اِمّا کفوراً (القرآن) ترجمہ:۔ ہم نے اُسے راہ بتائی۔ یا حق مانتا یا ناشکری کرتا (۷۶۔ ۳)

Marfat.com

یہ محدود آزادیِ ارادہ اور قدرتِ کسبِ فعل کی حدود میں مختلف جذبات و میلانات عقلی اور نفسی عوائد و رجحانات میں قانون اور اعتدال صرف اور صرف قانونِ عدل کے نفاذ سے ہو سکتا ہے جس کا منبع اور مصدر بھی تکوینی عدل کی طرح اللہ کی منشا ہے۔ مرضیٔ رب ہی قانون بنتی ہے۔ قانون کی اتباع مرضیِ رب کے حصول کا ذریعہ اور اپنی ذات اور معاشرہ میں توازن و اعتدال برپا کرنے کا سبب ہے۔ یاد رہے کہ قانونِ الٰہی (DIVINE WILL) عدل سے عبارت ہے اور عدل حسن (BEAUTY) اور صداقت (TRUTH) دونوں کو اپنے اندر سمیٹ لیتا ہے۔ جبیسے تخلیق اور حسن، عدل اور حسن کو ایک دوسرے کا مکمل قرار دیا گیا ہے۔

یعنی جو حکم خداوندی ہے خواہ وہ کونیاتی ہو یا اخلاقی اپنے اندر حسن بھی رکھتا ہے امام اشعری رحمۃ اللہ علیہ کے نقطۂ نظر سے یوں کہا جائے کہ حسن و قبح کا معیار حکمِ الٰہی ہے۔ عقل کوتاہ حسن و قبح کا معیار نہیں بن سکتی۔ (۱) (حسن و قبح کا معیار عقل یا شرع۔ بحر العلوم: شرح مسلم الثبوت۔ الشاطبی: الموافقات۔ الآمدی: الاحکام۔) انسانی فکر نارسا نے اس مرحلہ پر بڑی قلابازیاں کھائیں کسی نے لذت کو حسنِ عمل قرار دیا کسی نے موافقتِ مآل کو اور کسی نے عقلِ محض کو (۲) (انسائیکلوپیڈیا آف ایتھکس اینڈ ایلیجن۔ زیرِ عنوان GOOD (خیر) جی۔ اے۔ مور۔ PRINCIPA OF ETHICA میکنزی: AN MANUAL OF ETHICS للی پروفیسر: AN INTRODUCTION TO ETHICS)

لیکن واقعہ یہ ہے کہ یہ نظریات انسانی معاشرہ کو کبھی خیر و فلاح کی نوید نہ دے سکے بلکہ ہوا یوں کہ ان عقائد کی آڑ میں حرص و آز اور شہوت رانیوں کو کھل کھیلنے کا موقع ملا۔ یہ بحث اپنی جگہ تفصیل طلب ہے کہ اخلاقیین کے خیر و شر کے بارے میں ان نظریات سے انسانیت نے کیا کھویا اور کیا پایا۔ یہاں مسئلہ صرف یہ بیان کرنا مقصود ہے کہ حسن و خیر کا منبع بھی اللہ تعالیٰ کی ذات ہے تو کیوں نہ کہا جائے۔

تعز من تشاء و تذل من تشاء بیدک الخیر انک علی کل شئی قدیر (القرآن) ترجمہ: جسے چاہے عزت دے اور جسے چاہے ذلت دے۔ ساری بھلائی تیرے ہی ہاتھ ہے۔ بے شک تو سب کچھ کر سکتا ہے (۳-۲۶) حق اور صداقتِ قطعیہ کیا ہے؟ یہاں بھی انسان نے بڑی ٹھوکریں

Marfat.com

کھائیں اور کئی نظریات پیش کیے۔ جن سے انسانی زندگی کے مسائل سے کوئی گتھی سلجھ تو نہ سکی البتہ الجھ ضرور گئی۔ قرآن مجید صداقت کا تعلق عدل سے قائم کرتے ہوئے منشاء الٰہی کو قانون حیاتِ انسانی قرار دیتا ہے۔ (القرآن ترجمہ:- اور پوری ہے تیرے رب کی بات سچ اور انصاف میں اس کی باتوں کا کوئی بدلنے والا نہیں (۶-۱۱۴) عدل کی ماہیت اس لحاظ سے صدق اور حسن کے ساتھ تکوین ہوتی ہے۔ افراط و تفریط سے مبرّا ہونا اور بتقاضائے فطرت انسانی نقطہ اعتدال منشا قانون عدل ہے۔ وسط اور استقامت صفت اعتدال کے لازمی اجزا ہیں محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم کی اُمت کو اُمت وسط قرار دیا۔ اُمۃ وّسطا لتکونوا شھدا علی الناس (۲-۱۴۳)

(ترجمہ:- میں امتوں میں افضل کہ تم لوگوں پر گواہ ہو) اور طریقہ صالحین، مقربانِ بارگاہ خداوندی کو صراط مستقیم کہا جسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم نے "ما انا علیہ و اصحابی" کے ساتھ تعبیر فرمایا۔ یہ راہ ہدایت "مسلک اعتدال" ہے جو سنتِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم اور جماعت صحابہ علیہم الرضوان سے عبارت ہے۔ وہ عظیم صحابہ جن کو اللہ کے رسول نے تمغہ عدالت دیتے ہوئے جادہ منزل تک رسائی کا زبردست ذریعہ بتایا۔ اصحابی کالنجوم بایہم اقتدیتم اھتدیتم (مشکوٰۃ المصابیح فی مناقب الصحابہ) ترجمہ:- میرے اصحاب ستاروں کی مانند ہیں جس کی پیروی کروگے ہدایت پاؤگے۔ غرضیکہ قرآن مجید کا تصور عدل ایک آفاقی اور ہمہ گیر اصل ہے۔ جو کائنات اور انسانی معاشرہ کے بقاء دوام اور امن و امان کی ضمانت دیتا ہے۔

انسان کی انفرادی زندگی کے جملہ پہلو قانون اعتدال کی میزان پر تولے اور پرکھے جاسکتے ہیں ایک نفسیات کے طالب علم کے لیے یہ سمجھنا زیادہ دشوار نہیں کہ انسانی شخصیت کے عناصر ترکیبی اس کے جبلی رجحانات "طبعی میلانات اور عقلی و نفسانی خواہشات ہیں۔ فرائڈ کے نظریہ جنس (SEX) کی رو سے شہوانی خواہشات کے منہ زور گھوڑے انسان کو بے راہ رو کر دیتے ہیں۔ ایسے میں ان محرکات کے اندر اعتدال و توازن کا قیام انسانی شخصیت کی بقا کا واحد راستہ ہے۔ امام غزالی علیہ الرحمۃ اخلاق کی اہمیت کے بارے میں فرماتے ہیں کہ عالم سفلی کی ترکیب چار چیزوں پر ہے۔

Marfat.com

یعنی خون، بلغم، صفرا اور سودا ان کے لیے ایک حدِ اعتدال مقرر ہے۔ علم طب اسی اعتدال سے آگاہ کرتا ہے۔ تاکہ اسے بیماری اور ہلاکت سے محفوظ رکھا جائے۔ روحِ انسانی کے لیے بھی حدِ اعتدال مقرر ہے۔ جس کی نگہداشت کرنے کے لیے علم اخلاق و ریاضت ہے تاکہ اسے اعتدال پر رکھے اور اس کی صحت کا سبب بنا رہے (کیمیائے سعادت)۔ یعنی انسانی شخصیت مستحکم ہو ہی نہیں سکتی جب تک کہ وہ غصہ، شہوت، رحم اور انتقام محبت و نفرت کے متضاد جذبات و احساسات کسی کو کسی پر غالب نہ آنے دے۔ ان میں توازن صرف اس صورت میں پیدا ہو سکتا ہے کہ انہیں ایک عالمگیر قانون کے تابع کر دیا جائے اور قانون بھی اُس کا جس نے یہ قوتیں انسان کو ودیت کی ہیں۔

یہ ایک بدیہی امر ہے کہ انسان کو پیدا کرنے والا انسان کی فطرت اور اس کے تقاضوں سے زیادہ باخبر ہے۔ لہٰذا اسی کا قانون عدل انسان کے عالم نفس میں بھی عدل کی حکمرانی قائم کر سکتا ہے۔ حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اسی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا: تم میں سے کوئی مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ اس کی خواہش میرے حکم کے تابع نہ ہو (مشکوٰۃ المصابیح ص ۳۰) ترجمہ: اس کی خواہش میرے حکم کے تابع ہو) یعنی دین مصطفیٰ۔ دین عدل ہی میزان شخصیت میں روح و مادہ، دین و دنیا، عقل و شہوت، محبت و نفرت کے پلڑوں کو برابر رکھ سکتا ہے۔ قرآن مجید نے روحانی اور مادی مسرتوں میں راہ وسط اختیار کرنے کی تعلیم دی۔ دین کے ساتھ دنیا کی بھلائی طلب کرنے کا درس دیا اور خدا سے مانگنے کا انداز یوں بتایا۔ "ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار" عبادت کے ساتھ معاشی جدوجہد کا کتنا حسین امتزاج ہے۔ ادھر نماز جمعہ سے فارغ ہوئے ادھر حکم ہوا۔

فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ (سورہ جمعہ آیت ۶۲-۱۰) ترجمہ:- تو زمین پر پھیل جاؤ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔ معاملاتِ دین و دنیا اور فکر معاش و معاد میں عدل قائم رکھنے کی کتنی عمدہ تعلیم ہے جو ان دو پلڑوں کو متوازن نہ رکھ سکا اور کسی ایک کی طرف مکمل جھک گیا تو اس کی شخصیت بحیثیت انسان کے انتشار اور بگاڑ کا شکار ہو گی۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی زندگی قرآن مجید کے اس تصور عدل کی کامل واکمل تصویر

Marfat.com

ہے، بعض صحابہ کرام نے آپ کو دیکھ کر صیام وصال شروع کئے۔ بعض نے عبادت و ریاضت کے لیے خود کو وقف کرکے ازدواجی معاملات ترک کرنے کا ارادہ کیا۔ تو حضور سرکارِ دوعالم غضبناک ہوگئے اور فرمایا۔

ترجمہ:۔ تم میں میرے جیسا کون ہے میرا رب مجھے کھلاتا اور پلاتا ہے) میں عبادت بھی کرتا ہوں اور خانگی معاملات میں اپنے فرائض ادا کرتا ہوں اور فرمایا۔ فمن رغب عن سنتی فلیس منی یعنی ترکِ دنیا اور معاملات زندگی سے راہ فرار کی اسلام قطعاً اجازت نہیں دیتا۔ لا رھبانیۃ فی الاسلام (القرآن ۵۷-۲۷) اسلام میں رہبانیت نہیں ہے۔ وہ تو دنیا کو آخرت کا ایک لازمی حصہ قرار دیتا ہے ان دونوں میں اعتدال مقصود انسانیت ہے۔

عقل وحواس میں وحی کو معیار بنایا جو ترجمان عدل الٰہی ہے۔ عقل کو نہ تو غیر مشروط معیار حق و صداقت قرار دیا اور نہ اس کے استعمال پر تالے ڈالے ہیں بلکہ اُس کی حدود متعین کرکے اس کے استعمال میں اعتدال پیدا کیا۔

الغرض انسان کی انفرادی زندگی کے فکری اور عملی پہلوؤں کو حدِ اعتدال میں رکھنا تعلیمات قرآنی کا ایک خاص مقصد ہے۔ تمام اخلاق فاضلہ، خصائل حمیدہ اور سعادت کے تصورات کا لازمی جزو اعتدال ہے۔

قرآنِ مجید میں عائلی معاملات میں خاوند اور بیوی کے درمیان حقوق وفرائض کی حد بندی کی جو ان کی فطرت کے عین مطابق ہے فرمایا۔ ولھن مثل الذی علیھن۔ ترجمہ اور عورتوں کا حق بھی ایسا ہی ہے جیسا ان پر ہے۔ (۲-۲۲۸) خاوند کو حسن سلوک اور بیوی کو حسن معاشرت کی تعلیم دی۔ ایک سے زائد بیوی کی صورت میں ان کے مابین حقوق ازدواج کی ادائیگی عدل کرنے پر زور دیا۔ کہ ان خفتم الا تعدلوا فواحدۃ۔ اگر ڈرو کہ دو بیویوں کے درمیان انصاف نہ کرسکو گے تو ایک ہی کرو (۴-۳)

رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے اس ضمن میں خود مثال قائم فرمائی اور اُس شخص کے

Marfat.com

بارے میں جو ازدواج میں عدل برقرار نہیں رکھتا۔ فرمایا کہ وہ قیامت کے روز اس حال میں اُٹھے گا کہ اُس کا ایک پہلو جھکا ہوا ہوگا۔ اپنی اولاد میں بھی امتیازی سلوک کو روا نہیں رکھا گیا۔ ایک صحابی بارگاہِ نبوی میں حاضر ہوئے عرض کی میں اپنے فلاں بیٹے کو فلاں باغ وصیت کرنا چاہتا ہوں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ کیا ایسا دوسروں (دوسرے بھائیوں) کے لیے بھی کر رہے ہو۔ عرض کی نہیں۔ فرمایا پھر تمہیں ایسا کرنے کی اجازت نہیں۔ ان میں برابری قائم کرو۔ (مشکوۃ المصابیح) وصیت، لین دین اور معاہدات میں عدل اور حق و صداقت، معاملات کو صفائی کے ساتھ طے کرنے کی تلقین کی۔ ظلم و تعدّی، بے انصافی اور حدِ اعتدال سے تجاوز کی مذمت کی۔ تجارت۔ ناپ تول اور وثیقہ نویسی میں عدل اور درستگی کا پورا پورا لحاظ رکھنے کا حکم دیا۔

۴۔ وَاَقِیْمُوا الْوَزْنَ بِالْقِسْطِ وَلَا تُخْسِرُوا الْمِیْزَانَ (۵۵-۹) اور انصاف کے ساتھ تول قائم کرو اور وزن نہ گھٹاؤ۔ ولیکتب بینکم کاتب بالعدل (۲-۲۸۲) اور چاہیئے کہ تمہارے درمیان کوئی لکھنے والا ٹھیک لکھے۔ ان معانی میں قرآنِ مجید کا نظریہ عدل معاشرہ کے معاملات اور معاہدات بین الافراد کی صحت و تکمیل کے لیے ناگزیر ہے۔

انسانی زندگی کا اہم پہلو جس میں عدل کے قیام اور نفاذ کی ضرورت ہوتی ہے۔ وہ افراد کے باہمی حقوق و فرائض کے بارے میں تنازعات کو طے کرنے میں ہے۔ اس ساری کارروائی میں قاضی، گواہ۔ فریقین مقدمہ اور ماہیتِ قانون خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ قانون جو عدل پر مبنی ہے۔ وہ ہی ہے جو مرضی رب ہے۔ امتِ مسلمہ امتِ شہادت کی حیثیت سے اس کا ہر فرد عدل کا پابند ہے۔ حق و صداقت کا برملا اظہار ایمان کا تقاضا ہے۔ کتمانِ شہادت مسلمان کی شان کے منافی ہے ۵۔ وَلَا تَکْتُمُوا الشَّہَادَۃَ (۲-۲۸۳) اور گواہی نہ چھپاؤ۔ جج یا قاضی اپنے فیصلہ میں عدل و انصاف کا ہر حال میں دامن تھامے رکھے۔ رشوت۔ لحاظ مروت، دوستی و دشمنی، عزت و منصب اور امتیاز۔ رنگ و نسل اور اختلافِ زبان و تعصبات اور قربت و رشتہ داری کے تعلقات راہِ عدل سے ہرگز نہ ہٹا سکیں۔

Marfat.com

۶۔ وَلَا تُدْلُوا بِهَا إِلَى الْحُكَّامِ لِتَأْكُلُوا فَرِيقًا مِّنْ أَمْوَالِ النَّاسِ بِالْإِثْمِ۔ (۲-۱۸۸)

ترجمہ:۔ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لیے پہنچاؤ۔ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھالو۔

لَا يَجْرِمَنَّكُمْ شَنَآنُ قَوْمٍ عَلَىٰ أَلَّا تَعْدِلُوا۔ اعْدِلُوا هُوَ أَقْرَبُ لِلتَّقْوَىٰ (۵-۸) ترجمہ:۔ تم کو کسی قوم کی عداوت نہ ابھارے۔ کہ انصاف نہ کرو۔ انصاف کرو۔ وہ پرہیزگاری کے زیادہ قریب ہے۔

اس ضمن میں پیغمبرِ عالم صلی اللہ علیہ وسلم، خلفائے راشدین کی زندگی سے بے شمار مثالیں پائی جاسکتی ہیں۔ فریقین مقدمہ کو صاف گوئی سے کام لینے کا حکم دیا۔ کیونکہ یہی تقاضائے عدل ہے۔

عقوبات بھی قانون عدل کے تحت جرم کی نسبت سے نرم یا سخت ہیں۔ زنا جتنا قبیح جرم ہے۔ اس کی سزا اتنی ہی بھیانک، چوری جتنا برا فعل ہے۔ سزا اتنی ہی عبرت ناک، قتل جس قدر دردناک عمل ہے۔ سزا اسی قدر حوصلہ شکن۔ ۷۔ يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا كُونُوا قَوَّامِينَ بِالْقِسْطِ شُهَدَاءَ لِلَّهِ وَلَوْ عَلَىٰ أَنفُسِكُمْ أَوِ الْوَالِدَيْنِ وَالْأَقْرَبِينَ إِن يَكُنْ غَنِيًّا أَوْ فَقِيرًا فَاللَّهُ أَوْلَىٰ بِهِمَا۔ فَلَا تَتَّبِعُوا الْهَوَىٰ أَن تَعْدِلُوا۔ (۵-۳۸) ترجمہ:۔ اے ایمان والو! انصاف پر خوب قائم ہو جاؤ۔ اللہ کے لیے گواہی دے۔ چاہے اس میں تمہارا اپنا نقصان ہو۔ یا ماں باپ یا رشتہ داروں کا۔ جس پر گواہی دو۔ وہ غنی ہو یا فقیر۔ بہر حال تو اللہ کو اس کا سب سے زیادہ اختیار ہے تو خواہش کے پیچھے نہ جاؤ کہ حق سے الگ پڑو۔

جو عورت بدکار ہو اور جو مرد تو ان میں سے ہر ایک کو سو کوڑے لگاؤ۔ (۲۴-۲)

اور جو مرد یا عورت چور ہو۔ تو ان کا ہاتھ کاٹو۔ ان کے کئے کا بدلہ اللہ کی طرف سے سزا۔

(۵-۳۸)

اس ساری گفتگو کا حاصل یہ ہے کہ قرآن مجید کا نظریہ عدل اتنا جامع اور وسیع مفہوم رکھتا ہے۔ کہ کائنات اور انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی کے تمام تر معاملات اس کے اندر سمٹ آتے ہیں۔

Marfat.com

ہادیٔ برحق اور تربیّتِ نفس

حضورِ علیہ الصلوٰۃ والسلام کی ذات گرامی ایک عظیم شخصیت ہی نہیں بلکہ شخصیت ساز بھی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فیضِ تربیت سے حرف ابجد سے ناواقف بزم علم و حکمت کے صدر نشین اور قافلہ تہذیب و تمدن کے سالار بنے۔ درسگاہ محمدی صلی اللہ علیہ وسلم کے فارغ التحصیل معارفِ ربانی، اسرار فرقانی کے ماہر، اخلاقِ حسنہ کی مجسّم تصویر، فاتح عالم بن کر نکلے۔ احادیثِ رسولِ مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے مطالعہ سے ظاہر ہوتا ہے کہ سچائی، دیانت، سخاوت، ہمدردی، صفائی، ایفائے عہد، عدل، عجز و انکسار، مستقل مزاجی، بردباری، مردِ مومن کی شخصیت کے عناصر ترکیبی ہیں۔ جھوٹ، بددیانتی، بخل، ظلم، نقضِ عہد، کبر و عُجب، تذبذب، سستی، عداوت و دشمنی اور فضول خرچی جیسے اوصاف شخصیتِ مسلم کے منافی ہیں۔

حضورِ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے نفس کو بداخلاقی اور منفی اوصافِ شخصیت سے بچانے اور اُسے نفس مطمئنہ کی سطح پر لانے کیلئے جو تربیتی نظام جاری فرمایا، اس کی بنیاد علم و حکمت، ایمان و ایقان اور عبادت و ریاضت پر ہے، جن کا تعلق قلب، روح اور بدن تینوں سے ہے۔ اور یہی تین نفس انسانی میں اجزائے تحلیلی ہیں۔ علم و حکمت نیکی کے مترادف ہے۔ اور نیکی کی اصل ایمان باللہ اور خشیتِ الٰہی ہے۔

حضور علیہ السلام کا ارشاد ہے کہ ایک ساعت کا فکر و تدبر ستّر سال کی عبادت سے بہتر ہے۔ اور فرمایا کہ صاحبِ علم کی نسبت عابد کے ساتھ اتنی، جتنی میری تم میں سے کسی ایک ادنیٰ پر ہے۔

خشیتِ الٰہی کو اصل علم قرار دیتے ہوئے فرمایا:۔

Marfat.com

رَأْسُ الْحِكْمَةِ مَخَافَةُ اللّٰهِ ۔ (سب سے بڑی حکمت اللہ کا ڈر ہے۔)

گویا علم نافع وہ ہے جو خشیتِ الٰہی پیدا کرتا ہے۔ اور اصحاب علم وہ ہیں جو :-

کُلَّمَا ازْدَادُوا مِنْ هُدَى الْعِلْمِ ازْدَادُوا لِلّٰهِ تَوَاضُعًا وَّخَشْيَةً وَّانْكِسَارًا ۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم ہمیشہ دُعا کی یہ تعلیم دیتے تھے۔

اللهم انی اعوذ بك من علم لا ينفع ومن قلب لا يخشع ومن نفس لا تشبع ۔

نیکی فطرتاً انسان کے اندر موجود ہے خشیتِ الٰہی، تزکیہ نفس کا کام دیتی ہے۔ کیونکہ نیکی سے دل مطمئن ہو جاتا ہے۔ ایک صحابی نے جب عرض کیا کہ میں نیکی اور بدی میں کیونکر تمیز کر سکتا ہوں۔ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :-

البر ما اطمئنت اليه نفسك والذنب ما حاك فى صدرك او كما قال رسول الله صلى الله عليه وسلم ۔

جہالت اور غفلت وہ آفت ہے جو آئینۂ قلب کو مکدر کر دیتی ہے۔ اور نیکی اور بُرائی کی تمیز اُٹھ جاتی ہے۔ قلب افکار کا محل ہے۔ اور انہی افکار سے ایمان کا صدور ہوتا ہے۔ اگر خشیت الٰہی دل میں موجود ہو تو افکارِ باطلہ نہ اُس میں راہ پا سکتے ہیں۔ اور نہ ہی اعمالِ قبیحہ کا صدور ہو سکتا ہے۔

ایک مرتبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ :-

الا ان فى الجسد مضغة ان صلحت صلح الجسد كله وان فسدت فسد الجسد كله الا وهى القلب

دل صالح اور صاف خون پورے بدن کو سپلائی کرتا ہے تو سارے بدن کی صحت کا دار و مدار دل پر ہے۔ دل خراب ہو جائے تو جسم کے تمام اعضا میں گندا خون پھیل جاتا ہے۔ جس سے امراضِ جسمانی کا ظہور ہوتا ہے۔ بعینہٖ قلب اگر خوفِ الٰہی سے آشنا ہو تو انسان کے اعمال حسنات ہوتے ہیں۔ خوفِ خدا اٹھ جائے تو سیئات کا دروازہ کھل جاتا ہے۔

انسانی شخصیت کی معراج معرفتِ الٰہی ہے۔ اور علم کا وظیفہ بھی یہی ہے کہ قلب انسانی پر معرفت ربّ کی

Marfat.com

شمع روشن ہو۔ انفس و آفاق کی آیات کا مطالعہ یقین کی دولت سے مالا مال کرتا ہے۔ حضور علیہ السلام نے انسان کے اندر کی دنیا کو عالم اکبر قرار دیا۔ معرفتِ نفس کو معرفتِ رب کے ساتھ ایک قریبی تعلق کی حیثیت سے فرمایا۔

مَنْ عَرَفَ نَفْسَهٗ فَقَدْ عَرَفَ رَبَّهٗ

شخصیت کی تکمیل پر روح و بدن اور دین و دنیا کے تقاضے مساوی حیثیت رکھتے ہیں۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے

لیس بخیرکم من ترک دنیاہ لاٰخرتہ ولا من اٰخرتہ لدنیاہ۔

دنیا و آخرت میں نیکی کی طلب شخصیت مسلم کا تقاضا ہے۔

مشکوٰۃ شریف کی ایک طویل روایت میں ہے کہ بعض صحابہؓ نے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام کی عبادت و ریاضت کو دیکھا تو اپنی عبادت کو بہت کم سمجھا۔ بعض نے طے کیا کہ وہ رات بھر نوافل میں گزاریں گے۔ دوسرے نے ہمیشہ روزہ رکھنے کا۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو خبر ہوئی تو خفا ہوئے۔ اور فرمایا کہ میں عبادت بھی کرتا ہوں۔ روزے بھی رکھتا ہوں۔ شادی و بیاہ کی رسوم بھی ادا کرتا ہوں اور فرمایا کہ:۔

اَلنِّكَاحُ مِنْ سُنَّتِيْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ سُنَّتِيْ فَلَيْسَ مِنِّيْ۔

دین و دنیا میں سے کسی ایک کی طرف زیادہ جھکاؤ شخصیت میں بگاڑ کا موجب بنتا ہے۔ عبادات و معاملات حقوق اللہ اور حقوق العباد مل کر ایک وحدت بنتے ہیں۔ اور یہی مسلمان شخصیت کی تعمیر کا اصل الاصول ہے۔ ایمان باللہ اور عبادت جہاں روح کو پاکیزگی اور بالیدگی عطا کرتے ہیں، وہاں شخصیت کی کئی اور خوبیاں بھی اُجاگر ہوتی ہیں۔ بھلا وہ شخص کیسے حریص ہو سکتا ہے۔ جو مال و دولت کا حقیقی مالک حق تعالیٰ کو سمجھتا ہے۔ کبر و فخر اور عجب کی کہاں گنجائش رہتی ہے، جو اپنی پیشانی بارگاہِ ایزدی میں خم کر دیتا ہے۔ یہ حقیقت ہے کہ نقصان کا خوف اور نفع کی اُمید میں انسان بسا اوقات راہ راست سے بھٹک جاتا ہے لیکن وہ جادۂ منزل حیات پر بلا خوف و خطر گامزن ہوتا ہے۔ جیسے سیّد عالم کا یہ ارشاد ہے۔

ولو جھد العباد ان ینفعوک بشیء لم یقضہ لک لم یقدروا علیہ

Marfat.com

ولو جهد العباد ان ینفعوک بشیء لم یقضہ علیک لم یقدروا۔

دوسرا تذبذب اور اگر مگر کی پالیسی سے انسانی شخصیت قوت فیصلہ سے محروم ہو جاتی ہے حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام ایسے مرحلہ پر اپنے رب سے استقامت اور توکّل کی تعلیم دیتے ہوئے فرمایا۔

احرص علی ما ینفعک واستعن باللہ ولا تعجز وان اصابک شیء فلا تقل لو انی فعلت کان کذا وکذا۔ قل قدر اللہ ماشاء اللہ۔ فان "لو" تفتح عمل الشیطان۔

ماہرین نفسیات کا خیال ہے کہ "کاش" کا کلمہ احساسِ محرومی، بے ہمتی اور کم حوصلگی کی دلیل ہے۔ بلا شبہ الفاظ کا استعمال شخصیت کے جانچنے کا اعلیٰ معیار ہے۔ اور مخصوص جملوں کا استعمال قوتِ ارادی میں بے پناہ اضافہ کا سبب بنتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے "لو" کے بارے فرمایا کہ یہ عمل شیطان کا دروازہ کھول دیتا ہے۔ اور وہ مایوسی و محرومی ہے۔ مایوسی شیطان کا فعل ہے۔

مومن کا رحمتِ خداوندی پر پورا یقین ہے۔ مشکلات و مصائب میں وہ نہیں گھبراتا۔ اس لئے کہ رحمت خداوندی کا بہر حال امیدوار ہوتا ہے۔ مصائب و آلام بھی بالآخر اُس کے حق میں خیر ثابت ہوتے ہیں۔ ابتلا و آزمائش میں صبر کی لذت اور آرام و آسائش میں شکرانۂ نعمت سے شخصیت میں استحکام اور استواری آتی ہے۔ ہر مصیبت ہر وقت گویا اللہ تعالیٰ کی تجلّی ہوتی ہے۔ اور جذبۂ محبت الٰہی سے بیماریوں، بلاؤں اور فاقوں پر بھی اسرار لُطف و رحمت کا نظارہ کرتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اذا احب اللہ عبدا ابتلاہ فان صبر اجتباہ وان رضی اصطفاہ

مضرابِ غم سے سازِ محبت چھیڑا جاتا ہے۔ اور انعام و اکرام سے محبت کا امتحان لیا جاتا ہے۔ رسول معظم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ:۔

حفت الجنۃ بالمکارہ وحفت النار بالشھوات

نعمت کی کثرت سے انسان کئی اخلاقی اور روحانی برائیوں میں مبتلا ہو سکتا ہے۔ ہاں اگر احساس شکر و نعمت کی قدر و قیمت باقی بھی رہتی ہے۔ اور انسان اس کے غلط استعمال سے بھی محفوظ رہتا ہے۔ حضو

Marfat.com

علیہ الصلوٰۃ والسلام کا ارشاد گرامی ہے۔

من نزلت الیہ نعمۃ فلیشکرھا۔

اور فرمایا کہ:۔

النعمۃ وحشیۃ قیدوھا بالشکر۔

معتقدات کے علاوہ کچھ ایسے میلانات، خواہشات اور عواطف بھی ہیں۔ جو انسانی جبلت کا تقاضہ ہیں۔ یہ جبلی قوتیں جنہیں منہ زور شہوانی گھوڑے کہا جاتا ہے۔ انسان کو اپنی مرضی سے چلانے کی کوشش کرتے ہیں۔ پختہ یقین اور کامل ایمان نہ ہو تو یہ خواہشات انسان پر غالب آجاتی ہیں۔ اور انسان بندۂ خواہشات ہو کے رہ جاتا ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعاً لما جئت بہ

گویا عقل میں روشنی اُس وقت آتی ہے، جب وہ حرص و آرزو سے آزاد ہو کر علم دمی کے تابع ہو جاتی ہے۔ محبتِ الٰہی اور محبت رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی فراوانی ہی انسان کی قوت غضبیہ، قوت بہیمیہ اور قوت عقلیہ کے درمیان اعتدال رکھ سکتی ہے۔

یوں حضور علیہ الصلوٰۃ والسلام نے تربیت نفس کے طرق اور تعمیر شخصیت کے بنیادی اصول وضوابط کا ایک کامل اور مکمل نظام عطا فرمایا، جو دین و دنیا میں بھلائی کی ضمانت دیتا۔ نہ صرف حیات طیبہ سے، بلکہ اپنے غلاموں کے تزکیہ نفس اور معاشرتی زندگی میں اُن کی شخصیت کے اجزائے ترکیبی کو متعین کرنے کا عملی ثبوت دیا۔

اللہ کریم ہمیں اپنے حبیب مکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بتائے راستے پر چلنے کی توفیق دے۔ آمین ثم آمین۔

Marfat.com

تصوّرِ حکمت

مفہوم و مطالب

قرآن مجید کا عظیم اعجاز اس کا اسلوب بیان ہے۔ عرب کا وہ معاشرہ جن میں افصح الفصحاء اور اشعر الشعراء موجود تھے۔ جنہوں نے اپنی فصاحت و بلاغت اور حسنِ بیان و کلام کی بنیاد پر پوری دنیا کو عجم "گونگا" کہہ کر ٹھکرا دیا، قرآن مجید نے اپنی معجز بیانی اور کلام ربانی ہونے پر انہیں کھلا چیلنج کرتے ہوئے فرمایا۔

فَأْتُوا بِسُورَةٍ مِّن مِّثْلِهِ (تم اس کی مثل ایک سورت ہی بنا کر لاؤ۔)

کلامِ خداوندی کے سامنے ان کے عجز اور درماندگی کو کھول کر بیان کیا کہ:۔

اے لوگو! تم ایسا ہرگز نہیں کر سکو گے خواہ تم اپنے پہلے اور اگلوں کو جمع کر لو تاکہ برہانِ قرآنی کے مقابلہ میں کوئی دلیل لا سکو۔ جب ایسا ممکن نہیں تو تقاضائے دانش و حکمت یہی ہے کہ "تم اس آگ سے ڈرو، جس کا ایندھن پتھر اور لوگ ہوں گے"۔

قرآنِ مجید کا ایک ایک کلمہ معانی و محاسن کا بحرِ ناپید اکنار ہے۔ جس قدر معنوی گہرائی میں چلے جائیں، علم و حکمت اور دانش و بینش کے انمول جواہر تک رسائی بڑھتی ہی جاتی ہے۔ ایک سے ایک یگانہ اور حسن و خوبی میں دُرِّ بے مثال۔

آئیے! قرآنِ مجید میں وارد کلمہ "حِكْمَةٌ" کی لغوی اور معنوی تحلیل و تجزیہ کے بعد اس کی وسعت و جامعیت، گہرائی و گیرائی کا جائزہ لیں۔

لغتِ عرب میں حکمت "اَلْمَنْعُ لِلْاِصْلَاحِ" سے عبارت ہے۔ اپنے نفس کو ہر اس چیز سے روکنا

Marfat.com

جو مُضر ثابت ہو سکے۔ "اِحکام" لُغوی اعتبار سے لفظ حکمت کے قریب ہے۔ اہلِ عرب جب گھوڑے کو لگام ڈالتے تو اسے "اِحکَام" سے تعبیر کرتے تھے۔ حکمت کے ساتھ اس کی مناسبت یہ ہے کہ جیسے "حِکمَة" میں نفس کو خواہشات اور مضرات سے باز رکھنے اور قابو میں لانے کے معنیٰ ہیں۔ وہاں "اِحکَام" لُغوی اعتبار سے گھوڑے کو سرکشی سے باز رکھنے اور روکنے کے لئے استعمال ہوتا ہے۔

حضرت سیدنا حسان بن ثابت رضی اللہ عنہ مشرکینِ مکہ کی ہجو میں کہتے ہیں۔

ونحکم بالقوافی من هجانا ونضرب حین تختلط الدماء

ایک شاعر دشمن قبیلہ کی مذمت کرتے ہوئے یوں کہتا ہے۔

أبنی حنیفة احکموا سفهاءکم

اَحْکَمَ اس مفہوم کے اعتبار سے 'مضبوطی' اور 'قطعیت' کے معنی کو شامل ہے۔ "اٰیَاتٌ مُحْکَمَاتٌ" سے مراد وُہ آیات ہیں، جو صریح المعنی اور قطعی المراد ہیں۔ یوں 'حکمة' اور 'محکم' دونوں ایسے معنی پر دلالت کرتے ہیں جو شک و شبہ سے بالاتر ہیں۔ 'مُحکم' جو ORDER کے معنی میں استعمال ہوتا ہے۔ اپنی قطعیت، غیر متبدل اور واجب العمل ہونے کے اعتبار سے "حکمت" کے مرادف ہے۔ "حَکَم" کا فیصلہ فریقین مقدمہ کے لئے قطعی ہوتا ہے۔ یوں "حَکَم" فیصلہ کرنے والے کے مفہوم میں "حکمت" کو متضمن ہے۔ عمومی لحاظ سے یہ جملہ مرادفاتِ حکمت میں علم کے معنی لازمی پائے جاتے ہیں۔

اس لغوی اور معنوی تحلیل سے ان جملہ کلمات میں قدرِ مشترک قطعی ہوتا ہے۔ جو غایة علم اور یقین کا پتہ دینے کے ساتھ مضرات سے بچانے کی صلاحیت رکھتا ہے۔

قرآنِ مجید میں یہ کلمہ کئی آیات میں وارد ہوا ہے۔ مثلاً:۔

واذ اخذ الله میثاق النبیین لما اٰتیتکم من کتاب وحکمة۔

وانزلنا علیک الکتب والحکمة۔

Marfat.com

لقد من اللہ علی المومنین اذ بعث فیھم رسولا من انفسھم یتلو علیھم آیاتہ ویزکیھم ویعلمھم الکتب والحکمۃ۔

یوتی الحکمۃ من یشاء ومن یوت الحکمۃ فقد اوتی خیرا کثیرا۔

واتینا لقمان الحکمۃ ان اشکرلی۔

لا یومنون حتی یحکموک فیما شجر بینھم۔

ان الحکم الا للہ۔

آیات محکمات ھن ام الکتب۔

...... فابعثوا حکما من اھلہ۔

ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ۔

حکمت کی لغوی بحث کے سیاق میں قرآن مجید کی ان آیات سے بنیادی طور پر جس حکمت کی طرف اشارہ ملتا ہے وہ خاصہ ہے انبیاء کا۔ عقلِ انسانی کا اس میں کوئی حصہ نہیں۔ یہ علم وعرفان کی وہ اعلیٰ قسم ہے، جو ادراکاتِ بشری سے ماوراء ہے۔ اللہ تعالیٰ انبیاء کرام علیہم السلام کو ان کے صفائے قلب اور صفاتِ قدسیہ کی بنا پر انہیں اس فیضانِ علم وعرفان کے لئے منتخب فرماتا ہے۔ عقل وادراک اور حواس کی بجائے باطنی ذرائع سے عرفان کی یہ نوع ان مقدس اور برگزیدہ بندوں کے سینوں میں منتقل ہوتی ہے۔ یہ خزینہ حکمت جو وحی متلو یعنی قرآن اور غیر متلو یعنی سنّت سید المرسلین صلی اللہ علیہ وسلم پر مشتمل ہے۔ ظاہر و باطن، معاش ومعاد، روح ومادہ، اصلاح فرد اور فلاح معاشرہ کی قطعی، حتمی اور ناقابلِ تردید ضمانت دیتا ہے۔ دحکمت اس حکیم کی جانب سے ہے جو خالقِ کائنات ہے۔ جس کی قلمرو میں بحر وبر اور عرش و فرش کی تمام تر وسعتیں، حکومت وحاکمیت جسے مسلّم ہے، اور جس کا ہر فعل حکمت ودانش پر مبنی ہے۔

حضرت امام شافعی رحمۃ اللہ فرماتے ہیں کہ "الکتاب" سے مراد قرآنِ مجید اور "الحکمۃ" سے مراد سنّت مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء ہے۔

حکمت کی دوسری قسم، جس پر قرآن مجید کی متعدد آیات دلالت کرتی ہیں۔ اور اس میں عقل انسانی کا

87502

Marfat.com

ہے، دو حصوں میں منقسم ہے۔ (۱) حکمتِ نظری اور (۲) حکمتِ عملی۔

ابن عربی علیہ الرحمۃ فرماتے ہیں کہ:-

"معنیٰ حکمت بجز علم کچھ نہیں۔ اور معنی علم سوائے عقل کچھ نہیں۔ البتہ حکمت میں علم کے معنی کے علاوہ نتائج اور ثمرات کی طرف اشارہ پایا جاتا ہے۔ علم کا ثمر ہے اس کے مطابق عمل کرنا، تصرفات میں اسے حکم بنانا اور تمام اقوال وافعال میں اس کے مطابق چلنا"

لغوی اعتبار سے عقل کے معنی نکیل ڈالنے کے ہیں جس سے اونٹ کو قابو کیا جا سکتا ہے۔ "احکام" اور "عقل" لغوی اعتبار سے صرف اس قدر مختلف ہیں کہ اوّل الذکر گھوڑے کو کنٹرول کرنے کے لئے ہے۔ اور مؤخر الذکر اونٹ کو، لیکن بایں ہمہ دونوں سے مراد نفسِ انسانی ہے، جسے خواہشات کے منہ زور گھوڑے اور اونٹ کا سا کینہ اور غیظ وغضب خطرات اور مضرات میں دھکیل دیتے ہیں۔

اللہ تعالیٰ نے انسان کو "حکمت" اور "عقل" دو قوتیں عطا فرمائی ہیں، جو اُسے نفس کی سرکشی اور خواہشات کی پیروی سے باز رکھتی ہیں۔ کامل ایمان کی علامت بھی یہی ہے، کہ سفلی جذبات اور ہوائے نفس کو قابو میں رکھا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

لا یومن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ۔

تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں ہو سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات کو میرے دین کے تابع نہ کر دے۔

اس سے اسلام میں حکمت اور عقل کی اہمیت واضح ہو جاتی ہے۔ دوسرا "حکمت" اور "عقل" دونوں علم کی بنیاد پر استوار ہیں۔ فکر ونظر جو حکمت کی حقیقت اور ذات ہیں۔ قرآن مجید کا خاص موضوع ہیں۔ سینکڑوں آیات "آفاق وانفس" میں غور وفکر کی دعوت دیتی ہیں۔

گردشِ لیل ونہار، شمس وقمر اور کواکب وانجم سے سجی محفلِ سماء، زمین اور اس کی سرسبز وشاداب وادیاں، کوہسار کی بلندیاں اور سمندر کی پہنائیاں، سمندر کی ٹھاٹھیں مارتی موجیں اور گنگناتی ندیاں، باغات میں مسکراتی کلیاں اور چٹخنے غنچے، طائرانِ صبح گاہی اور مرغانِ خوش نوا، یہ سب عظیم خدا کی

Marfat.com

طرف دعوت دیتی ہیں۔

جب انسان صفحۂ ہستی اور گلشنِ گیتی کی طرف نگاہ اٹھاتا ہے۔ قدرتِ خداوندی اور اس کی حکمتِ کاملہ کا مشاہدہ کرتا ہے، تو نگاہیں ایمان و ایقان کی دولت سے بھر جاتی ہیں۔ دل کی کائنات خدائے ذوالجلال کے ذکر سے معمور ہو جاتی ہے۔ اور انسان جب خود میں ڈوب کر خود کو تلاش کرنے نکلتا ہے تو "حکمت" اسے عرفانِ نفس کی راہ دکھاتی ہے۔ یہ وہ عظیم وظیفہ ہے، جس کے بارے کہا گیا۔

من عرف نفسه فقد عرف ربه

یہ ہے حکمت نظری جو خود شناسی اور خدا شناسی میں انسان کی راہبری کا فریضہ سر انجام دیتی ہے۔ قرآنِ مجید کی انہی تعلیمات نے مسلمانوں کیلئے تحقیق و جستجو کی راہ ہموار کی۔ اکتشاف و انکشاف در کائنات کے سربستہ دفینوں اور خزینوں کو ظاہر کرنے کا حوصلہ اور جرأت بخشی۔ اور اسی فکر نے سائنسی علوم کی راہ کھائی۔

غرضیکہ حکمتِ نظری کائنات کے اندر غور و فکر کرنے اور حقائق اشیاء تک رسائی کے لئے ایک فکری قوت سے عبارت ہے۔ جو علم و عرفان کی خوابیدہ صلاحیتوں کو عمل میں لاکر خود آگاہ بھی بناتی ہے اور خدا آگاہ بھی۔

اس کے ساتھ یہ مت بھولئے کہ قرآن مجید حکمتِ نظری کے ساتھ حکمت عملیہ کو بھی اتنی ہی اہمیت دیتا ہے۔ محض فکر و نظر کی اسلام میں کوئی گنجائش نہیں۔ قرآنِ مجید عمل کو بھی اتنا ہی اہم قرار دیتا ہے۔ حکمت کی ہر دو نوع ایک دوسرے سے مل کر ایک کل بناتی ہیں۔ ایمان و ایقان حکمتِ نظری سے مل کر اخلاق کی تکمیل کرتے ہیں۔ یوں حکمت عملی نتیجہ ہے حکمتِ نظری کا۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ راس الحکمة مخافة الله۔ (سب سے بڑی دانائی خدا کا خوف ہے۔) کیونکہ اصلاحِ احوال اور تزکیۂ نفس کی بنیاد خوفِ خدا ہے۔

حکمت عملی وہ استعداد ہے، جس کے ذریعے انسان اخلاق فاضلہ سے مزین اور رزائل سے پاک ہوتا ہے۔ اخلاقِ حسنہ سے آراستہ ہونا اور رذائل سے پاک ہونا، نفسِ انسانی کی تکمیل کا موثر ترین

Marfat.com

ذریعہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی اہمیت کا اظہار فرمایا۔

انما بعثت لاتمم مکارم الاخلاق۔

بے شک میں مکارمِ اخلاق کی تکمیل کے لئے مبعوث کیا گیا ہوں۔

حکمت عملی کا یہ پہلو انسان کی اپنی ذات سے ہے۔ اس کی ایک دوسری نوع جس کی ہدایت قرآن مجید نے فرمائی۔ وہ حکمت دعوت وارشاد ہے۔ اس کا تعلق اجتماع اور معاشرہ کے ساتھ ہے۔

حکمت دعوت وہ اسلوب بیان وکلام ہے جو اپنی صداقت اور حقانیت کے اعتبار سے حکمتِ الہیہ سے مستنیر ہے اور مقتضائے حال کے مطابق، دعوت کے اصولوں میں سے ہے۔ کلموا الناس علی قدر عقولھم۔ (لوگوں سے ان کی سمجھ کے مطابق بات کرو۔)

حضورِ ختمی المرتبت رسالتمآب صلی اللہ علیہ وسلم کو اللہ رب العزت نے جوامع الکلم عطا فرمائے۔ اور اپنی امت اور انسانیت کے لئے کمال رحمت و شفقت مرحمت فرمائی۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اُسوہ میں دعوت اسلام کا منہج اور ارشاد وتلقین کی اعلیٰ مثالیں موجود ہیں۔ اولیاء کرام اور صوفیائے عظام نے اس حکمتِ عملی کو خضرِ راہ بنایا، تو لاکھوں ضلالت وگمراہی میں بھٹکنے والوں کو صراطِ مستقیم پر گامزن کیا۔

قرآن مجید کی حکیمانہ تعلیمات پر مبنی "حکمت" وہ اصل الاصول ہے جو فکر ونظر، علم وعمل ظاہر وباطن اور دین ودنیا کی تمام بھلائیوں کا سرچشمہ ہے۔

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار۔

Marfat.com

نظامِ مصطفےٰ

چند بنیادی اصطلاحیں

اِسلَام مصدر ہے اَسْلَمَ کی جس کے معنیٰ ہیں خَضَعَ وَاسْتَسْلَمَ۔ جیسے کہا جاتا ہے، اَسْلَمْتُ الشَئ اِلی فلان یعنی ادیتا الیہ ودخل فی السلم۔ اس دین حق کا نام "اسلام" رکھنے میں بھی مناسبت ملحوظ ہے۔ یوں اسلام کے معنیٰ ہوئے، اللہ کے حضور کامل سپردگی کا مظاہرہ اور تمام تر امور اسی کو تفویض کر دینا۔ اس طرح اللہ جل شانہٗ کے سامنے عاجزی اور انکساری ہی کا نام ہے۔ اور حقیقت اِسلام دین کو اللہ کے لئے خاص کرنے اور اسی کو معبود سمجھنے سے عبارت ہے۔ مفہوم اس کا ظاہر و باطن ہر لحاظ سے شرک کی الائشوں سے دل کو پاک و صاف کرنا، اور نفس کو ریا کاری اور لوگوں کی چاپلوسی سے آزاد کر دینا ہے۔ یہ وہ نفسیاتی کیفیت ہے، جو نفس کو ہر قسم کے خوف سے آزاد کر دیتی ہے۔ اور یوں انسان ہر قسم کے شرک پر غالب آجاتا ہے۔ تمام لوگ برابر کی حریت انسانی کے مالک بن جاتے ہیں۔ اس طرح حریت اور مُساوات اسلام کو قبول کرنے کا نتیجہ ہیں۔

اسلام مجموعہ ہے ان اصولِ و قواعد کا جنہیں قرآن مجید اور سُنّتِ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے متعین کیا۔ اور جن کا مقصد معاشرہ کی اجتماعی تنظیم ہے۔ یہ وہ مبادی اور اصول ہیں، جن پر واقعی عہد صدر اسلام میں ٹھیک ٹھیک عمل ہوا۔ خلفاء راشدین نے عنانِ حکومت سنبھالی تو زندگی کے ہر شعبہ میں اپنے دَور کے تقاضوں کے مطابق فلاح و بہبود کیلئے تعلیماتِ مصطفویہ کے ساتھ تطبیق دی۔ یہی دراصل نظام مصطفیٰ علیہ التحیۃ والثناء کی تمام تر تفصیلات کا سرچشمہ ہیں۔ تاقیامت آنے والی نسلوں

Marfat.com

کے لئے نظام حیات ہے۔ اس میں حالات کی ترقی کے ساتھ ساتھ چلنے اور بدلتے ہوئے حالات کا ساتھ دینے کی انتہائی گنجائش موجود ہے۔ اور یوں یہ حکومت کے مبادی اور تنظیم کو مفصل طور پر اپنے اندر سمو لیتا ہے۔

اس لئے کتاب و سنّت نے اسلامی ریاست کے مبادی کی تخصیص کی۔ دیگر فروع اور تفصیلات علماء کے اجتہاد پر چھوڑ دیں کہ وہ ہر زمانے کے حالات کے پیشِ نظر اس کی تطبیق کر سکیں۔ تاکہ ایک تو لوگوں کو غیر معمولی مشقت نہ اٹھانا پڑے اور دوسرا قواعد محض جمود کا شکار نہ ہو جائیں۔ اسی طرح مسلمان تہذیب و تمدن کے قافلہ کا ہر زمانہ اور ہر جگہ ساتھ دے سکیں۔

وہ مبادی اور کلیات جو ہمارے لئے راہنما خطوط متعین کرتے ہیں، وہ یہ ہیں۔

(۱) بنیاد عدل۔ (۲) بنیاد مساوات۔ (۳) بنیاد شوریٰ۔

بنیاد عدل

بنیاد عدل وہ راہنما اصول ہے، جس کی ہر حکومتِ اسلامیہ اپنے معاشرہ میں نفاذ کا اہتمام کرتی ہے۔ اس میں کسی گروہ کی تخصیص نہیں، اور نہ کسی شخص کی تمیز۔ بلکہ اس میں مسلم اور غیر مسلم، مرد اور عورت، سیاہ و سفید، دوست اور دشمن سب برابر ہیں۔

واذا حکمتم بین الناس ان تحکموا بالعدل ولا یجرمنکم
شنان قوم علی الا تعدلوا اعدلوا ھو اقرب للتقوی۔

(القرآن)

یہ ایک قاعدہ کلیہ ہے۔ رہا مسئلہ عدالتی نظام کے قیام، تنظیم قضاۃ، قاضی اور اس کے درجات اور اختیارات وغیرہ، تو ایسے مسائل اس کے لئے حکومتِ وقت ہر شہر کے لوگوں کی رسوم و رواج اور ضروریات و مصالح کے پیش نظر طے کر سکتی ہے۔

بنیاد مساوات

محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے دین میں اس کی اصل بلا تمیز رنگ و نسل اور دین و عقیدہ کے محض

Marfat.com

انسانی مساوات پر ہے۔

یا یہا الناس انا خلقنٰکم من ذکر و انثی وجعلنٰکم شعوبا وقبائل
لتعارفوا ان اکرمکم عند الله اتقٰکم۔ (القرآن)

یا یہا الناس اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدۃ وخلق
منہا زوجہا وبث منہما رجالا کثیرا ونساء، واتقوا الله الذی
تساءلون بہ والارحام، ان الله کان علیکم رقیبا۔ (القرآن)

شورائیت

شوریٰ کو قرآنِ مجید نے ایک قانون کی حیثیت سے روشناس کرایا۔ اور مومنین کی یوں تعریف کی

وامرھم شوریٰ بینہم۔

خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو حکم ہوا۔

فبما رحمۃ من الله لنت لہم ولو کنت فظا غلیظ القلب
لانفضوا من حولک فاعف عنہم واستغفر لہم وشاورھم
فی الامر فاذا عزمت فتوکل علی الله۔ (القرآن)

رہا اس شورائی نظام کی ہیئت کا مسئلہ، تو قرآن مجید نے یہ معاملہ حکومتِ وقت کو سونپ دیا، کہ وہ ہر علاقے میں لوگوں کے مناسب حال اس کا ڈھانچہ تیار کریں۔

یہ شورائیت کبھی بالواسطہ جمہوریت سے ہو سکتی ہے۔ یا پھر قومی نمائندوں کے ذریعے۔ مزید ان نمائندوں کے انتخاب کے معاملہ میں آیا بلاواسطہ انتخاب ہو یا نمائندوں میں مخصوص اخلاقی اور علمی صفات و اہلیت ہو۔ یہ اور اس نوعیت کی ساری تفصیلات اولی الامر اور اُمت کے سپرد ہیں کہ وہ اپنی اجتماعی بہبود کو پیش نظر رکھتے ہوئے ترتیب دیں۔ جہاں تک "اولی الامر" کا تعلق ہے، قرآن مجید نے ان کے بارے میں اشارۃً فرمایا کہ یہ وہ لوگ ہیں جو اصحاب رائے ہیں۔ اور ائمہ فکر ہیں۔ لوگ اپنے دینی اور تنظیمی معاملات میں ان کی طرف رجوع کرتے ہیں۔ اور اس ضمن میں یہی مرجعِ خلائق ہوتے ہیں۔ قرآن مجید نے ان

Marfat.com

کی اطاعت کو واجب قرار دیا۔

یاایھا الذین امنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم فان تنازعتم فی شیء فردوہ الی اللہ والرسول ان کنتم تومنون باللہ والیوم الاخر ذلک خیر واحسن تاویلا ٥ واذا جاءھم امر من الامن او الخوف اذاعوا بہ ولو ردوہ الی الرسول والی اولی الامر منھم لعلمہ الذین یستنبطونہ منھم۔ (القران)

ازاں بعد اس مجلس شوریٰ کی حدود و شروط کا معاملہ ائمہ اور فقہاء پر چھوڑ دیا کہ وہ اپنی حکومت کے وسائل کے مطابق اس کی ترتیب و تشکیل کا کام سرانجام دیں۔

اسی طرح احکام معاملات کے بارے میں ہم دیکھتے ہیں کہ اسلام نے "مصلحت" اور "ضرر" کی ممکنہ اور معقول وجہ کی رعایت کی۔ اور یہ عرف و رواج اور اختلاف زمان و مکان اور لوگوں کے حالات کی تبدیلی کے ساتھ تبدل و تغیر کو قبول کرتی ہیں۔ اس لئے نظامِ مصطفوی میں ایک قاعدہ کلیہ پر اکتفا کیا گیا۔ اور دیگر تفصیلات مثلاً شرائط معاہدہ، طمانیت اور یوں بہتر سے بہتر کی تلاش وغیرہ کے معاملات کو خود طے کرنے کی اجازت دی بشرطیکہ وہ نصوص قرآنیہ کی حدود کے اندر رہوں۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یاایھا الذین امنوا اوفوا بالعقود۔

اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بیع غرر، غبن، احتکار جن سے مقصود مصنوعی گرانی پیدا کرنا ہے۔ اور اسی میں مصالح عامہ کی رعایت کا پاس نہیں رکھا جاتا ہے، سے منع فرمایا۔

لا یبیع احدکم علی بیع اخیہ۔ (الحدیث)

من احتکر اربعین یوما برئت منہ ذمۃ اللہ ورسولہ۔ (الحدیث)

علاوہ ازیں دیگر شروط معاملات اور طرق عقود و معاملات میں بنیادی شرط یہ ہے کہ حلال کو حرام اور حرام کو حلال نہ سمجھا جائے۔

Marfat.com

یہ مثالیں ان امور سے متعلق ہیں، جو دینِ اسلام میں کلیات کی حیثیت سے ہیں۔ تفصیلات اولی الامر کے اختیار اور اصحاب رائے پر چھوڑ دی گئیں کہ وہ مصالح اور عرف اور ظروف کے مطابق طے کریں۔

ایک یاد رکھنے کی بات یہ ہے کہ مسلمانوں کی دنیوی زندگی اور امور دُنیا کے سلسلہ میں مقصود احکام و شرائع زندگی اور اس کے معاملات کی تنظیم ہے۔ رہا عبادات و عقاید کا معاملہ، تو وہ اس سیاق سے خارج ہے۔ کیونکہ عقل اس کی مصلحت کا صحیح ادراک نہیں کر سکتی۔ وہ امور غیر متغیّر اور غیر متبدل ہیں۔ اختلافِ زمان و مکان سے ان میں کسی قسم کی تبدیلی کا امکان نہیں۔ اس لئے ان امور میں نصوص قطعیہ وارد ہیں۔ اور ان کے احکام مفصّل اور واضح ہیں، جن میں کسی قسم کا ابہام اور غموض نہیں۔ نماز اور اس کے ارکان، سنن و واجبات، اوقاتِ صلوٰۃ اور تعدادِ رکعات وغیرہ جیسے مسائل۔ ان میں کمی و بیشی نہیں قرآن مجید نے زکوٰۃ کی فرضیت کو بیان کیا۔ سُنّت نے اس کی حدود مقرر کیں۔ ان میں بھی اب کسی قسم کی تبدیلی کی گنجائش نہیں۔ یوں ہی نظامِ وراثت کی مثال ہے۔ ایسے ہی فرائض، شرعی عبادات، مثلاً روزہ، حج زکوٰۃ وغیرہ ہیں۔

اسی طرح وہ بنیادی اصول جن میں کسی قسم کا تغیّر واقع نہیں ہو سکتا، وہ ہیں عدل کا وجوب شوریٰ، رعایتِ حقوق، دفعِ ضرر، امانتوں کا ان کے اصل تک پہنچانا، اہم امور اصحاب علم و فضل کو سپ کرنا، اور دیگر وہ عمومی امور جن پر اصلاح اُمّت کا انحصار ہے۔

رہی احکام کی تفاصیل اور جزئیات تو بنیادی مصادر شریعہ، یعنی قرآن و سُنّت، سو وہ اس کے درپئے نہیں ہوتے۔ بلکہ یہ سب کچھ فقہاء و علماء پر ہے۔ کہ وہ ہر زمانہ کے بدلتے ہوئے تقاضو کے مطابق قیاس و اجتہاد کے ذریعے ایسے قوانین کا استنباط کریں۔ جن کی وجہ سے نہ صرف یہ کہ اُن ام میں تشفی کا سامان مہیّا ہو جائے۔ بلکہ یہ بھی ہو کہ ان کی معاشی زندگی میں کسی قسم کا تعطّل یا خلل پیدا نہ ہو۔ اس لئے ہے کہ شریعت اسلامیہ وہ آخری پیغام ربانی ہے، جسے قیامت تک کے لئے باقی رہنا ہے اد جس پر کسی قسم کا نسخ طاری نہیں ہو سکتا۔ اس لئے فروعی مسائل میں قیاس، استحسان اور مصالح

Marfat.com

مرسلہ سے فقہاء قانون سازی کر سکتے ہیں۔

امام غزالی فرماتے ہیں، شریعت کے مقاصد میں پانچ چیزیں داخل ہیں۔ دین کی حفاظت، جان کی حفاظت، عقل اور نسل کی۔

جو ان پانچ امور میں داخل ہے، وہ مصلحت ہے۔ اور جو اس بنیاد سے ہٹ جائے وہ مفسدہ ہے۔ اور اسی کا دفع کرنا مصلحت ہے۔

علامہ شاطبی کہتے ہیں۔

"شارع لوگوں کی بہتری کا ارادہ رکھتا ہے۔ وہ ایک شے دیکھتا ہے۔ جس میں مصلحت نہیں۔ پس اگر اس میں مصلحت ہو تو جائز ہے۔

علامہ آمدی فرماتے ہیں۔

"احکام لوگوں کی بہتری کے لئے ہیں۔ کیونکہ اس امر پر اجماع ہے کہ احکام باری کسی حکمت سے خالی نہیں ہوتے۔ اور یہ بھی طے شدہ بات ہے کہ ان کی منفعت اللہ تعالیٰ کے لئے نہیں۔ بلکہ انسانوں کے لئے ہے۔ اللہ کریم نے اپنے رسولؐ کے بارے فرمایا:۔ وَمَا ارسلنٰك الا رحمة للعٰلمین۔ اور فرمایا "رحمتی وسعت کل شئ"۔ اگر احکام حکمت اور بہتری سے خالی ہو جائیں، تو رحمت کہاں رہے گی۔ پھر تو وہ زحمت بن جائیں گے۔ "لاضرر ولاضرار" کلیہ ہے اور اگر بندے کو بغیر کسی مصلحت کے مکلف کیا جاتے، تو وہ اس کے لئے ضرر محض بن کر رہ جائے۔ لہذا لوگوں کی حاجات اور بہتری کی خاطر آئین میں مصالح مرسلہ کو بھی ماخذِ قانون کا مقام دیا گیا۔ اس پر صحابہؓ اور تابعین نے عمل کیا۔

علامہ شاطبی نے کئی مثالوں سے اسے واضح کیا۔ مثلاً حضرت عمرؓ کا رجسٹر رکھنے کا انتظام، نظم حکومت کے لئے مختلف شعبوں کا قیام، عاملین کا مقرر کرنا اور صحابہ کبار کو آئین اور شوریٰ میں شریک کرنا وغیرہ۔

Marfat.com

نظامِ مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم

کا

معاشی نظام

اسلام دین و دنیا اور جسم و روح کے تضاد کا قائل نہیں۔ بلکہ انسانیت کی تکمیل میں دونوں کو یکساں اہمیت دیتا ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الاٰخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا۔ الآیہ

اور طلب کر جو تجھے اللہ تعالیٰ نے دار آخرت میں دیا اور دنیا سے بھی اپنا حصہ بھول نہ جا۔

اور رسول اللہ علیہ التحیۃ والسلام نے فرمایا۔

لیس بخیرکم من ترک دنیاہ لاٰخرتہ ولا اٰخرتہ لدنیاہ۔

تم میں نہ وہ بہتر ہے، جس نے اپنی دنیا آخرت کے لئے چھوڑ دی۔ اور نہ وہ جس نے دنیا کے لئے اپنی آخرت برباد کر دی۔

اسلامی زاویۂ نگاہ سے جیسے مادی لذتوں میں غرق ہونا سراسر ضلالت و گمراہی، ایسے ہی رہبانیت اختیار کرنا، اور معاشرہ سے الگ تھلگ رہنا بھی قابل مذمت ہے۔ افراط و تفریط کی ان دو راہوں میں اسلام نے اعتدال کی راہ دکھائی اور یوں دُعا تعلیم فرمائی۔

ربنا اٰتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاٰخرۃ حسنۃ

اے ہمارے رب! ہمیں دُنیا میں بھی نیکی عطا فرما۔ اور آخرت میں بھی۔

دین و دنیا کی بھلائی، معاش و معاد کی بہتری، مادہ و روح کی وحدت اور مسجد و ایوانِ حکومت

Marfat.com

کی ہم آہنگی اسلامی نظامِ حیات کا طرّہ امتیاز ہے۔

اسلام ایک کل ہے، جو عائلی قوانین، مخصوص نظامِ اخلاق و معاشرت، ضابطہ، سیاست اور نظمِ معیشت پر مشتمل ہے۔ یہ وہ سرچشمہ ہے جس سے ہماری کشتِ حیات کا رگ و ریشہ سیراب ہو سکتا ہے۔ یہ وہ آفتاب ہدایت ہے۔ جس سے ہماری قومی زندگی کا ہر ہر گوشہ درخشندہ و تابندہ ہو سکتا ہے۔ یہ کسی اعتبار سے تشنہ نہیں کہ اس کی تکمیل کے لئے کسی خانہ ساز شریعت سے کوئی نظام مستعار لیا جائے۔

اسلام کا معاشی نظام بھی اسی نظریۂ حیات کا جزو لاینفک ہے۔ جس کی بنیاد اللہ تعالیٰ کی ربوبیت و مالکیت اور خالقیت ہے۔ انہیں تصوراتِ ثلاثہ پر اسلامی نظمِ معیشت کا ڈھانچہ تیار ہوتا ہے۔

ہر مسلمان کا عقیدہ ہے کہ اللہ ہی ہے، جس نے ہمیں اور ہم سے پہلے لوگوں کو پیدا کیا۔ اس نے زمین کو فرش اور اس کی ہری بھری کھیتیوں کو فردوسِ نگاہ بنایا۔ گنبدِ نیل فام سے آبِ حیات اُتارا۔ زمین نے خزانے اگل دیئے اور انسانوں کے لئے نعمتہائے گوناگوں کے ڈھیر لگا دیئے۔ سارے جہاں اور ساری کائنات کو اسی ذاتِ واحد نے پیدا کیا۔ یہ سب کچھ جو زمین پر چہل پہل اور فضائے بسیط میں پھیلی ہوئی کئی دنیائیں اسی کی خالقیت و ربوبیت، قدرتِ غالبہ حکمت کاملہ اور اس کی حسین صناعی کا پتہ دیتی ہیں۔

انسان کی اپنی ذاتی کوئی شئے نہیں۔ یہ سب خدا تعالیٰ کا ہے۔ وہ نہ چاہے تو انسان کچھ بھی نہیں پا سکتا۔ وہی خالق ہے۔ اور وہی رازق۔ یہ سب کچھ اسی کی ملکیت ہے۔ جو کچھ ہمارے ہاں ہے یہ اسی کی دین ہے۔

در حقیقت مالک ہر شے خدا است

ایں امانت چند روزہ نزد ماست

وجعلنا لكم فيها معايش ومن لستم له برازقين۔ (الحجر، ۲۰)

اور تمہارے لئے اس میں روزیاں کر دیں۔ اور وہ کر دیئے جنہیں تم رزق نہیں دیتے۔

وما من دابة فی الارض الا علی اللہ رزقها۔ (ھود، ۶)

اور زمین پر چلنے والا کوئی ایسا نہیں جس کا رزق اللہ کے ذمہ کرم پر نہ ہو۔

وكاين من دابة لا تحمل رزقها الله يرزقها واياكم۔

Marfat.com

کوئی زمین پر چلنے والا اپنا رزق خود نہیں پاتا۔ اللہ انہیں اور تمہیں رزق دیتا ہے۔

سرمایہ دارانہ ذہنیت کفرانِ نعمت باری سے پیدا ہوتی ہے۔ مال و دولت کی ریل پیل سے انسان جب غرور و تکبر کا پتلا بن جاتا ہے تو غرور و سرکشی پر اتر آتا ہے۔ خود کو خدا سمجھنے لگتا ہے۔ قرآن مجید نے اسی ذہنیت کو فرعونیت اور قارونیت کے عنوان سے تعبیر کیا۔

ان قارون کان من قوم موسیٰ فبغیٰ علیھم و اتیناہ من الکنوز ما ان مفاتحہ لتنوء بالعصبۃ اولی القوۃ ، اذ قال لہ قومہ لا تفرح ان اللہ لا یحب الفرحین وابتغ فیما اتاک اللہ الدار الاخرۃ ولا تنس نصیبک من الدنیا ، واحسن کما احسن اللہ الیک ولا تبغ الفساد فی الارض ، ان اللہ لا یحب المفسدین

بیشک قارون موسیٰ کی قوم سے تھا۔ پھر اس نے ان پر زیادتی کی۔ اور ہم نے اس کو اتنے خزانے دیئے، جن کی کنجیاں ایک زور آور جماعت پر بھاری تھیں۔ جب اس سے اس کی قوم نے کہا، اترا نہیں۔ بیشک اللہ اترانے والوں کو دوست نہیں رکھتا۔ اور جو مال تجھے اللہ نے دیا ہے، اس سے آخرت کا گھر طلب کر۔ اور دنیا میں اپنا حصہ نہ بھول اور احسان کر، جیسا اللہ نے تجھ پر احسان کیا۔ اور زمین میں فساد نہ چاہ۔ بیشک اللہ فسادیوں کو دوست نہیں رکھتا۔

(القصص، ۷۶، ۷۷)

ایک اور مقام پر دو بھائیوں کے مکالمہ سے اس ذہنیت کو بیان کیا گیا کہ ایک کے پاس ننانوے بھیڑیں تھیں اور دوسرے کے ہاں ایک۔ دوسرے نے پہلے سے کہا کہ کچھ بھیڑیں دے کر تمہیں میری کفالت کرنی چاہیئے۔ تو اس نے جواباً کہا کہ اگر یہ ایک بھیڑ بھی مجھے ہی دے دے، تو میری پوری ایک سو بھیڑیں ہو جائیں گی۔

غیر مشروط انفرادی ملکیت، ذخیرہ اندوزی، بے مروتی و زر پرستی اور باطل طریقوں سے مال گزاری کی اسلام نے بھرپور مذمت کی ہے۔ اس کی ضد میں جس اجتماعی ملکیت کے نظم معیشت نے جنم لیا۔ بظاہر بڑا دلفریب ہے۔ زر، زن اور زمین میں اجتماعی شرکت کا نعرہ بہت پہلے ایران میں بھی بلند ہوا تھا۔ سپار

Marfat.com

ا مین لیکاد گا نے اس کے اصول بھی وضع کئے۔ لیکن عملی طور پر اس فلسفہ کو پیش کرنے میں کارل ارکس، انجلز، لینن اور ماؤزے تنگ کے نام سرفہرست آتے ہیں۔

اسلامی نقطۂ نگاہ سے اشتراکیت ہو یا سرمایہ داریت دونوں نے فلسفہ مادیت اور فلسفۂ الحاد کے یٹ سے جنم لیا ہے۔ مؤخر الذکر پر علامہ اقبال نے بڑا فکر انگیز تبصرہ کیا ہے۔

کردہ ام اندر مقاماتش نگاہ — لا کلیسا لا سلاطین لا الٰہ
دین آں پیغمبرِ ناحق شناس — بر مساواتِ شکم دارد اساس

اسلام نے اعتدال کی راہ بتائی۔ کہ درحقیقت یہ سب کچھ نہ فرد کے لئے ہے کہ اپنی ذات کے مقابلہ ں جماعت کو کوئی حیثیت نہ دے اور نہ جماعت کے لئے ہر فرد چند با اقتدار شخصیتوں کے رحم و کرم پر رہے ہ ہر انسان کو پہلے سے یہ ذہن نشین کرایا کہ :-

لہ ما فی السمٰوٰت وما فی الارض۔

اُسی کے لئے ہے جو کچھ زمینوں میں ہے اور جو کچھ آسمانوں میں ہے۔

ر اس غلط فہمی کا ازالہ کیا کہ خدا تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال نہ ہو تو تمہارے بس میں کچھ بھی نہیں۔

أانتم تزرعونہ ام نحن الزارعون ۝

کیا تم اس کی کھیتی بناتے ہو یا ہم بنانے والے ہیں۔ (الواقعہ، ٦۴)

ءانتم انزلتموہ من المزن ام نحن المنزلون ۝

کیا تم نے اسے بادل سے اتارا یا ہم اتارنے والے۔ (الواقعہ، ٦٩)

یہ ہے تو سب کچھ اسی کا۔ انسان تو محض ایک "امین متصرف" کی حیثیت رکھتا ہے۔ اور یہی زمائش ہے کہ کون اس کی حاکمیت پر ایمان رکھتے ہوئے ان پابندیوں میں رہ کر ان نعمتوں کو تصرف ں لاتا ہے۔

و مما رزقنٰھم ینفقون۔ (البقرہ ۳)

اور ہماری دی ہوئی روزی میں سے ہماری راہ میں لٹائیں۔

Marfat.com

نظمِ معیشت و تقسیمِ دولت اور معاشی طور پر مفلوک الحال افراد کی کفالت سے متعلق قرآن پاک کی واضح آیات موجود ہیں۔ البتہ یہ نظامِ معیشت صرف اسی ریاست میں نافذ ہو سکتا ہے۔ جو اللہ رب العزت کی ربوبیت پر راضی ہیں۔ اس کی مالکیت پر ایمان کامل رکھتے ہیں۔ اور اس کی حاکمیت کے آگے سر تسلیم خم کرتے ہیں۔

یہ وہ تصوراتِ ثلاثہ ہیں جو انسان کو حقوق اللہ، حقوق العباد اور حقوق النفس کی حسن ادائیگی کا سلیقہ عطا کرتے ہیں۔ اسی ضمن میں معاشی خوشحالی کی اہمیت کا مسئلہ آتا ہے۔ کیونکہ معاشی خوشحالی صالح معاشرہ کی تشکیل میں فیصلہ کن کردار ادا کرتی ہے۔ اور یہی اسلام کا مقصود ہے۔

نتیجۃً یہ کہا جا سکتا ہے کہ یہ معاشی خوشحالی روحانی مسرتوں اور ابدی سعادتوں کے حصول کیلئے راہگزر کا کام دیتی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:-

الدنیا مزرعۃ الآخرۃ۔

نہ یہ کہ انسان مادی اقدار کو آخری منزل قرار دے کر خود خالقِ اقدار بن بیٹھے۔

جائز احتیاجات کی تسکین عقلاً و شرعاً ممنوع نہیں۔ خود اسلام نے بقائے ذات اور اتصالِ جسم و روح کے لئے ان ضروریاتِ حیات کو ہر انسان کا بنیادی حق قرار دیا۔

ان لک الا تجوع ولا تعری وانک لا تظمؤ فیہا ولا تضحی۔

اور تیرے لئے ہے کہ نہ تو بھوکا ہے اور نہ ننگا اور یہ کہ نہ تو پیاسا ہے اور نہ بغیر مکان کے کڑی دھوپ میں۔

اگر مادی نعمتوں کو کمالاتِ انسانی کی منزلِ رفیع کے لئے سنگِ میل جان کر استعمال کیا جائے، تو یہی مال انسان کے حق میں "خیر" "فضل اللہ" "زینت" "سکون" اور "سہارا" ہے۔

فاذا قضیت الصلوۃ فانتشروا فی الارض وابتغوا من فضل اللہ۔

پھر جب نماز ہو چکے تو زمین میں پھیل جاؤ۔ اور اللہ کا فضل تلاش کرو۔

انفقوا خیرا لانفسکم۔ اور اللہ کی راہ میں خرچ کرو اپنے بھلے کو۔ (تغابن۔)

Marfat.com

اور اگر یہ جدوجہد صرف نفسِ امارہ کی اتباع میں ہو تو یہی حال اس کے حق میں "عذر" "فتنہ" اور" دشمن" بن جاتا ہے۔

انما اموالکم واولادکم فتنۃ. (تغابن، ۱۵)

تمہارے مال اور تمہارے بچے جانچ ہی ہیں۔

اسی تفریق کو حلال و حرام سے تعبیر کیا گیا ہے۔ حلال طریقہ سے کمایا ہوا مال سہارا ہے۔ زینت ہے سکون ہے۔ اللہ کے فضل و احسان اور اس کی طرف سے خیریت اور سلامتی کا نشان ہے۔ اور حرام مال آخرت میں تو موجبِ خسارہ ہے ہی۔ دُنیا میں بھی اس کی فتنہ سامانیوں سے معاشرتی اور اخلاقی اقدار مجروح ہوتے ہیں۔ قرآن وسُنّت کی رُو سے رزقِ حلال کی تلاش عبادت کا درجہ رکھتی ہے۔

وجعلنا اللیل لباسا وجعلنا النهار معاشا (النبار ۱۰،۱۱)

اور رات کو پردہ پوش کیا۔ اور دن کو روزگار کیلئے بنایا۔

لیس علیکم جناح ان تبتغوا فضلا من ربکم ط

تم پر اپنے رب کا فضل تلاش کرنے میں کوئی حرج نہیں۔

من الذنوب ذنوب لا یکفرها الا الهم فی طلب المعیشة. (الحدیث)

کتنے گناہ ہیں جن کا کفارہ فکرِ معاش اور اس کی جدوجہد ہے۔

التاجر الصدوق یحشر یوم القیامة مع الصدیقین والشهداء.

سچے تاجر کا حشر قیامت کے روز شہداء اور صدیقین کے ساتھ ہوگا۔ (الحدیث)

فقر سے دین کی نرمی، عقل کی محرومی، لوگوں میں حقارت اور بے مروّتی پیدا ہوتی ہے۔ اسلام نے گداگری کی لعنت سے بچنے کی تلقین کی۔ ایک مرتبہ رسول اللہ نے فرمایا

من طلب الدنیا حلالا تعففا عن المسئلة وسعیا علی عیاله وتعطفا علی جاره لقی الله ووجهه کالقمر لیلة البدر. (الحدیث)

جس نے سوال سے بچنے، کنبہ کی کفالت کرنے اور پڑوسیوں کے لئے معاونت وعاطفت

Marfat.com

کی غرض سے دُنیا (یعنی مال و دولت) طلب کی، وہ روزِ قیامت خدا کی بارگاہ میں حاضر ہوگا تو اس کا چہرہ چودھویں رات کے چاند کی طرح تابندہ ہوگا۔

حلال و حرام کی تمیز معاشی ناہمواری اور عدم مساوات کو دور کرتی ہے۔ عام طور پر یہ ناہمواری اور طبقاتی اونچ نیچ "اکتساب زر" "صرف زر" اور "ارتکازِ زر" کے باطل ذرائع سے ہوتی ہے، جو انفعالی، روحانی، جسمانی اور معاشی اقدار صحت کے لئے مضر ثابت ہو سکتے ہیں۔ انہیں حرام قرار دیا گیا ہے۔ ارشاد باری ہے۔

یاایھا الناس کلوا مما فی الارض حلالا طیبا (الآیہ)

اے لوگو! زمین سے حلال اور پاکیزہ کھاؤ۔

ولا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بھا الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم (البقرہ، ۱۸۸)

اور آپس میں ایک دوسرے کا مال ناحق نہ کھاؤ۔ اور نہ حاکموں کے پاس ان کا مقدمہ اس لئے پہنچاؤ کہ لوگوں کا کچھ مال ناجائز طور پر کھالو۔

کسب معاش میں جائز و ناجائز اور حلال و حرام کی قیود سے وہ تمام راہیں مسدود کر دی ہیں، جن میں دوسرے شخص کی ضرورت، سادہ لوحی، ناتجربہ کاری اور مجبوری سے ناجائز فائدہ اُٹھایا جا سکتا ہے۔

سود، جوا، ذخیرہ اندوزی، رشوت، ملاوٹ، چوری، دھوکہ بازی بلیک مارکیٹنگ اور دیگر اس قسم کی دھاندلیاں اسلام کے لئے ناقابل برداشت ہیں۔ اس کے لئے تادیبی کارروائی لازمی ہے۔ شریعت اسلامیہ نے معاشی خوشحالی اور اخلاقی قدروں کے تحفظ کے لئے جامع اور مستقل قوانین وضع کئے ہیں۔ اور پھر اس رزق کا تعلق اخلاقی اور روحانی قدروں سے قائم کرتے ہوئے یہ تلقین کی کہ استجابتِ دُعا، اکل حلال اور صدق مقال کی متقاضی ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کا حال بیان فرمایا، جو پراگندہ سر، پریشان بال اور پھٹے پُرانے پیوند لگے کپڑوں میں ملبوس ہے۔ اور دستِ دُعا بارگاہِ ایزدی میں دراز کرتا ہے۔ لیکن دعا شرف قبولیت سے محروم رہتی ہے۔ کیونکہ اس کا کھانا حرام، اس کا لباس حرام، اور

Marfat.com

حرام ہی سے اس کا گوشت پوست تیار ہوا ہے۔

ایک اور حدیث پاک میں آتا ہے، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا، وہ آدمی جو حرام ذریعہ سے مال جمع کرتا ہے، وہ خوش نہ ہو۔ اگر وہ اس سے خیرات بھی کرے گا تو وہ ہرگز قبول نہیں کی جائے گی۔ اور جو باقی رہے گا وہ جہنم کے لئے زادِ راہ ثابت ہوگا۔

معاشی نقطۂ نگاہ سے اگر غور کریں تو معلوم ہوتا کہ معاشی عدم توازن اور غیر متوازی ظالمانہ تقسیم دولت کی اساس وہی وسائل معاش ہیں جنہیں اسلام نے حرام قرار دے دیا۔

"صرفِ زر" کے لئے اسلام نے ایک فطری طریق کار وضع کیا۔ اور اس بات کا خصوصی طور پر خیال رکھا گیا کہ مال و دولت کسی بھی ایسے انداز میں خرچ نہ ہونے پائے، جو اخلاقی و روحانی قدروں اور معاشی توازن میں بگاڑ پیدا کر سکے۔ مجنون اور نابالغ بچے کو مال تفویض نہ کرنے میں یہی حکمت ہے اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔

ولا تؤتوا السفهاء اموالكم التي جعل الله لكم قياماً۔

اور یہ مال کم عقل لوگوں کے سپرد نہ کرو، جسے اللہ کریم نے تمہارے لئے سہارا بنایا۔

فضول خرچی کی سخت مذمت کی۔ اور بے جا گلچھرے اڑانے والوں کو شیطان کا بھائی بتایا۔

ان المبذرين كانوا اخوان الشياطين ط

بیشک فضول خرچی کرنے والے شیطان کے بھائی ہیں۔

انفاق مال کی جو راہیں اسلام نے متعین کی ہیں، تتبع آیات سے اس میں بلحاظ درجات اپنا کنبہ والدین رشتہ دار، غریب پڑوسی، شہر کے نادار افراد، اور پھر اپنے ملک اور آخر میں عالم اسلام و عالم انسانیت کی فلاح و بہبود اور معاشی اجتماعی کفالت کے لئے تمام تر شقیں موجود ہیں۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے بے جا دولت کے مصرف سے منع فرمایا۔ اور محض نمود و نمائش کے لئے اسراف کے درپے رہنے والوں کو درس موعظت دیا کہ

ابدا بمن تعول۔ اس سے شروع کر جس کا نان و نفقہ تمہارے ذمہ ہے۔

طبقاتی کشمکش عموماً غیر متوازن نظم معیشت کا نتیجہ ہوا کرتی ہے۔ لیکن اسلام نے ایک قابل ضبط نظم معیشت پیش کیا، جس میں انتقالِ دولت کا خصوصی انتظام ہے۔ قرآن مجید نے رسول اللہ علیہ التحیۃ والسلام کے منصب رسالت میں یہ بھی ذکر کیا کہ آپ اغنیاء سے مال لیتے ہیں اور غرباء میں تقسیم فرماتے ہیں۔ اور اس کی علت یوں بیان فرمائی۔

کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم۔

تاکہ دولت صرف امراء ہی میں گردش کناں نہ رہے۔

قوانین وراثت، اموال فیئ، زکوٰۃ، رکاز، عُشر اور کفاراتِ مالیہ کے علاوہ مصالح مرسلہ کے ضمن میں آنے والے واجبات دولت کو گردش میں رکھتے ہیں۔ یوں دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہیں رہ جاتی۔ سُود کی حرمت میں بھی یہی حکمت کارفرما ہے۔ کیونکہ مارکیٹ پر صرف چند ہاتھوں کا تصرف قیمتوں کے نظام کو بالکل مصنوعی بنا دیتا ہے۔ سرمایہ دارانہ ذہنیت کا ردّعمل، ناجائز منافع خوری کے بڑھتے ہوئے رجحانات، رسد و طلب کا خشک علاقہ، مزدور اور کارخانہ دار، کسان اور زمیندار کے مابین طبقاتی آویزش کو جنم دیتا ہے۔

اسلامی نظام معیشت میں طبقاتی منافرت کی قطعی گنجائش نہیں ہے۔ کیونکہ اس نظام میں مزدور، سرمایہ دار، کسان اور زمیندار خدا تعالیٰ کے احکام کی پابندی کرتے ہوئے ایک مشترک مقصد کے لئے ایک دوسرے سے بھرپور تعاون کرتے ہیں۔ ان کے پیش نظر معاشرہ کی اجتماعی فلاح ہوتی ہے۔ محض ذاتی منفعت اس مادی دوڑ میں محرک نہیں۔ تاہم ہر طبقہ کے حقوق و فرائض کا ضابطہ اسلام نے پیش کیا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

اعطوا الاجیر اجرہ قبل ان یجف عرقہ۔ الحدیث۔

مزدور کو اس کی مزدوری دو پیشتر اس کے کہ اس کا پسینہ خشک ہو۔

دوسری طرف ویل للمطففین میں ان مزدوروں کو بھی شامل کر کے دردناک انجام سے خبردار کیا، جو دیانتداری سے اپنے فرائض کی ادائیگی میں کوتاہی برتتے ہیں۔ حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ علیہ السلام

Marfat.com

کے باہمی معاملات میں اچھے مزدور کی تعریف و توصیف "قوی" اور "امین" سے بیان کی گئی۔ اور آجر کو اس بات کی تلقین کی کہ وہ اجیر پر وہ مشقت نہ ڈالے جو اس کی قوت برداشت سے باہر ہو۔

مزارعت سے متعلق تقسیم اراضی، لگان، کسان اور مزدور کے مابین تعلقات اور تعاون کی مختلف صورتوں کے بارے میں حضرت عمرؓ نے جن قواعد و ضوابط کا تعین فرمایا، وہ آج بھی اسی طرح افادیت کے حامل ہیں۔

رہا تجارت کا مسئلہ تو اسلام نے اس کے بارے میں رہنما اصول وضع کئے ہیں۔ خود رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس پیشہ کو اختیار فرمایا۔ باہمی رضامندی، صاف گوئی اور دیانتداری اسلامی تجارت کے بنیادی عناصر ہیں۔ ملاوٹ، دھوکہ دہی اور غیر معیاری اشیاء کی فروخت اور احتکار (HOARDING) ممنوع ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے۔ مَنْ غَشَّ فَلَيْسَ مِنَّا۔ اور یہ کہ چالیس دن تک جنس اس لئے روک کر رکھنے والا کہ مصنوعی قلت پیدا کر کے زیادہ سے زیادہ منافع حاصل کرے اللہ کے ذمۂ کرم سے محروم رہتا ہے۔ مشارکت اور مضاربت کے اصولوں پر تجارت کی عام اجازت ہے۔ اور بینکوں کے لئے بھی بلا سود قرضہ جات اور مشترکہ کمپنیوں کے ذریعے مشارکت اور مضاربت کی سفارش موجود ہے۔

اسلامی بینک یا بیت المال اس ضمن میں اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ قرآن مجید میں اسلامی بینک کے محاصل مندرجہ ذیل ہیں۔

زکوٰۃ، عشر، خمس، صدقات اور جزیہ کے علاوہ حکومت وقت ہنگامی ضروریات کے پیش نظر زائد ٹیکس (نوائب) بھی لگا سکتی ہے۔ بشرطیکہ ان کے جماعتی مفادات ظاہر و باہر ہوں۔

آمدنیوں کے لحاظ سے ان کے مصارف کو دو حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ وہ آمدنیاں جن کے مصارف کی وضاحت قرآن مجید نے کر دی، مثلاً مال غنیمت کا مصرف، محصول، زکوٰۃ کا مصرف۔ ان آمدنیوں میں امام محض ایک امین اور واسطہ ہے۔ دوسری قسم کی آمدنیں مثلاً محصول، خراج، محصول جزیہ اور عشور وغیرہ سربراہ مملکت اپنی کابینہ کے مشورے سے ملکی بہبود کے دیگر کاموں میں صرف کرنے کا مجاز ہے۔

Marfat.com

فقہائے اسلام نے اسلامی بیت المال کی آمدنیوں کے مصارف کا باقاعدہ ایک نظام ترتیب دیا ہے۔ اس میں ملکی صنعت و حرفت اور تجارت کو فروغ دینے کے علاوہ اجتماعی کفالت کی ضمانت موجود ہے۔ رسول اللہ کا ارشاد گرامی ہے۔

من ترك مالا فلورثته ومن ترك كلاً فعلیّ

جس نے مال ترکہ میں چھوڑا تو وہ اس کے ورثاء کا ہے۔ اور جس نے یتیم چھوڑا وہ میرے ذمہ ہیں۔

اس سے اندازہ ہوتا ہے کہ بیروزگاری افلاس اور غربت کے خاتمے کے لئے بیت المال میں جمع ہونے والی خطیر رقوم سے فیصلہ کن کردار ادا کیا جا سکتا ہے۔ غربت و افلاس کے خاتمے کے لئے اسلام کے زکوٰۃ سسٹم کو بنظرِ عمیق دیکھا جائے اور پھر صدقات و خیرات کے فلسفہ پر غور کیا جائے تو بخوبی اندازہ ہو سکتا ہے کہ فقر و فاقہ کے خلاف جہاد کی تحریک میں اسلام موجودہ دور کے مختلف ازموں کے مقابلہ میں سب سے زیادہ منصفانہ حل پیش کرتا ہے۔

Marfat.com

نظامِ مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

کی

خارجہ پالیسی

اسلام اپنے وسیع تر مفہوم کے اعتبار سے عالمگیر امن و سلامتی اور خیر و فلاح کا ضامن ہے عالمی سطح پر انسانی حقوق کی پاس داری اور گم گشتگان راہ کو جادہ حق پر لانے کی غیر مختتم کوشش امت مصطفویہ کا منشور ہے۔ نیکی کی بالادستی اور برائی کی بیخ کنی اُمت وسط اور خیر امت کا نصب العین ہے۔ جہاں اسلام نے ریاست اسلامیہ کے داخلی استحکام کے لئے غیر متغیر، غیر متبدّل اور ٹھوس اصول فراہم کئے ہیں، وہاں سیاست خارجیہ اور غیر مسلم ریاستوں سے تعلقات خارجہ کی بنیادیں بھی مہیا فرمائیں۔ محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس ریاست کی تشکیل فرمائی، اس کی خارجہ پالیسی کے مبادیات میں تبلیغ دین اور اس انقلابی دعوت کو عام کرنا ہے۔

تبلیغِ اسلام

اسلام چونکہ ایک عظیم فکری دعوت اور عملی نظام ہے، جس سے کشتِ حیات کا ہر ہر گوشہ سیراب ہوتا ہے۔ اور یہی وہ خدا تعالیٰ کا آخری اور پسندیدہ دین ہے۔ دنیاوی اور اُخروی فوز و فلاح کا ضامن ہے۔ اس لئے امت مسلمہ پر یہ ذمہ داری عائد کی گئی کہ وہ یہ پیغام حق دُنیا کے کونے کونے میں پہنچائے۔ اس لئے تعلقات خارجہ میں بنیادی پالیسی یہ ہے کہ سفارتی تعلقات اور دیگر معاہدات وغیرہ سے غیر مسلم ریاستوں میں مؤثر طریق پر تبلیغ دین کا فریضہ سرانجام دیا جا سکے۔

غیر مسلم ریاستوں سے تعلقات

غیر مسلموں کے ساتھ تجارت کرنا مشترکہ دشمن کے مقابلہ کے لئے ان کے ساتھ فوجی پیکٹ کرنا، عام میل

Marfat.com

جول اور معاشرت میں غیر مسلموں سے حسن سلوک اور خندہ پیشانی سے پیش آنا قطعاً ممنوع نہیں۔ اور خصوصاً وہ غیر مسلم ریاست جو اسلامی تحریک کی ارشاد و تلقین کے لئے سنگ راہ نہیں بنتی ہے، اور اپنی مسلم رعایا کو ظلم و استبداد کا نشانہ نہیں بناتی ہے۔ اور مسلم ریاست کے خلاف معاندانہ کارروائیوں میں حصہ نہیں لیتی۔ اس سے خیر و فلاح پر تعاون کی اجازت ہے۔ ارشادِ باری تعالیٰ ہے:-

لاینھاکم اللہ عن الذین ھم لایقاتلونکم فی الدین ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا بھم ان اللہ یحب المقسطین۔ الآیہ

وہ لوگ جو دین کے معاملہ میں تم سے جنگ نہیں کرتے۔ اور نہ ہی انہوں نے تمہیں گھروں سے نکالا۔ ان کے ساتھ بر اور احسان اور انصاف کرنے سے اللہ تعالیٰ منع نہیں فرماتا ہے۔ اور اللہ نے انصاف کرنے والوں کو پسند فرمایا ہے۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہود سے جو معاہدہ فرمایا جسے "میثاقِ مدینہ" کے نام سے تاریخ اسلام میں یاد کیا جاتا ہے، اسلامی ریاست کی خارجہ پالیسی کی اساس مہیا کرتا ہے۔ اور اس کے کچھ عرصہ بعد بنی حمزہ اور بنی مدلج کے علاوہ دیگر قبائل سے فوجی، سیاسی اور تجارتی نوعیت کے معاہدات ہوئے ہیں۔ ان میں سے اکثر دفعات سے واضح ہوتا ہے کہ اسلام عالمی امن و امان کا کس قدر احترام کرتا ہے۔ ان معاہدات میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے صاف صاف اپنے موقف کی وضاحت فرمائی۔

ان معاہدات و مواثیق کی عبارات کچھ اس طرح تھیں۔

- ★ یہ کہ انہیں ان کے مال اور ان کی جان پہ امن ہے۔
- ★ اور یہ کہ انہیں ہر ایسے کے خلاف مدد دی جائے گی، جو ظلم سے ان پر اچانک ٹوٹ پڑے اور ان پر واجب ہے کہ وہ بنو ضمرہ کی مدد اس وقت تک کرتے رہیں، جب کہ سمندر کسی ساحل کو گیلا کرتا ہے بجز اس کے اللہ کے دین کے بارے میں وہ ہم سے جنگ کریں۔ ان پہ اس بارے میں اللہ اور اس کے رسول کا ذمہ ہے۔
- ★ اور انہیں مدد اس شرط پر دی جائے گی کہ وہ وعدہ وفائی کرتے رہیں اور عہد شکنی سے بچتے رہیں۔

Marfat.com

یہود سے جو میثاق ہوا اس میں ایک شرط یہ بھی تھی۔

"اگر کوئی مدینہ پر حملہ آور ہو تو وہ مسلمانوں کی مدد کریں۔ اور اگر ان کے علاقہ پر کوئی چڑھائی کرے تو مسلمان مدد دیں۔ البتہ جارحانہ پیشقدمی میں غیر جانبداری برتی جائے"

صلح حدیبیہ میں تجارتی تعلقات کی ایک شق معاہدہ یہ بھی تھی۔

"دس سال تک باہم صلح رہے۔ ایک دوسرے کی جنگوں میں غیر جانبدار رہیں۔ اور تجارت وغیرہ ضرورتوں سے ایک دوسرے کے علاقے سے گذرنے کی اجازت ہو۔

اور یہ کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھیوں میں سے جو حج، عمرے یا تجارت کے لئے مکہ آئے تو اس کی جان و مال کو امان ہو گی۔ اور قریش کا جو شخص تجارت کے لئے مصر یا شام جاتے ہوئے مدینے سے گذرے تو اسے جان و مال کی امان ہوگی۔"

نیز رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایسے معاہدات میں شرکت کی عام اجازت بھی بخشی۔ صلح حدیبیہ میں فریقین معاہدہ میں یہ بھی طے پایا کہ اس معاہدہ کی شرائط پر کوئی بھی قبیلہ مسلمانوں یا قریش کا حلیف بننا چاہے تو وہ بن سکتا ہے۔ معاہدہ کی اس شق کا ترجمہ یہ ہے۔

"یہ کہ جو محمد صلی اللہ علیہ وسلم کے معاہدے میں اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے، وہ بھی ایسا کرے گا۔ اور جو قریش کے معاہدے اور ذمہ داری میں داخل ہونا چاہتا ہے، وہ بھی ایسا کرے گا۔

اسی موقع پر بنو خزاعہ نے مسلمانوں کا اور بنو بکر نے قریش کا حلیف بننے کا اعلان کیا۔ اور یوں وہ بھی اس معاہدے میں شریک ہو گئے۔

صلح و امن کے قانون

اگر کوئی غیر مسلم ریاست تشدد کی پالیسی اختیار نہیں کرتی، بلکہ صلح و آشتی کا ہاتھ بڑھاتی ہے تو اسلام اپنے ماننے والوں کو ترغیب دیتا ہے کہ تعاون کے لئے بڑھتے ہوئے اس ہاتھ کو پکڑ لو۔ اور صلح و خیر سگالی کی اس پیشکش کا احترام کرو۔

Marfat.com

فان اعتزلوکم فلم یقاتلوکم والقوا الیکم السلم فما جعل اللہ لکم علیھم سبیلا وان جنحوا للسلم فاجنح لھا۔ الآیہ۔

اگروہ باز آجائیں، اور تمہارے ساتھ قتال نہ کریں۔ اور صلح کی درخواست کریں تو اللہ تعالےٰ نے تمہارے لئے دوسری راہ (یعنی جنگ وغیرہ لازم نہیں کی۔ اور اگر وہ صلح کے لئے جھک جائیں تو ان کے لئے صلح کے واسطے آمادہ ہو جاؤ۔

دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم، میں امن عامہ اور صلح کل کی پاس داری کا کس قدر اہتمام ہے۔ کہ اگر غیر مسلم بظاہر صلح پر آمادہ ہو، اگرچہ اندر ہی اندر مسلمانوں کو نقصان پہنچانے کی تیاریاں کر رہا ہو تب بھی ترغیب یہی ہے کہ صلح کے لئے۔ بڑھتے ہوئے ہاتھ کو جھٹک نہ دو۔ بلکہ بڑی گرمجوشی سے اسے تھام لو۔

معاہدات کی پابندی

معاشی، و تجارتی یا فوجی نوعیت کا معاہدہ ہو، ۔۔ تو مکمل پابندی امت مسلمہ کا طرۂ امتیاز ہے۔ تاریخ اسلام کے ورق اس حقیقت کی گواہی دیتے ہیں کہ انہوں نے معاہدہ کی ہر شق کا احترام کیا۔ معاہدات کی صحیح پاس داری ہی سے امن و صلح کی فضاء پیدا ہو سکتی ہے۔ اس لئے قرآن و حدیث میں ایفائے عہد پر سخت زور دیا گیا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے۔

یٰاَیُّھَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْٓا اَوْفُوْا بِالْعُھُدِ،

اے ایمان والو! عہد کو پورا کرو۔

اَوْفُوْا بِالْعَھْدِ اِنَّ الْعَھْدَ کَانَ مَسْئُوْلًا،

عہد پورا کرو۔ بے شک عہد کی پابندی کے بارے میں پوچھا جائے گا۔

اَوْفُوْا بِعَھْدِ اللّٰہِ اِذَا عَاھَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَیْمَانَ بَعْدَ تَوْکِیْدِھَا الآیۃ

جب تم عہد کرو تو اللہ کے ساتھ عہد کو پورا کرو۔ اور پختہ کرنے کے بعد اپنی قسموں کو نہ توڑو۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے غدرِ عہد کو علاماتِ نفاق میں شمار کیا۔ آج اس ترقی یافتہ دور میں دنیا کی مہذب قوموں نے بین الاقوامی معاہدات کو کاغذ کی محض پرچیاں سمجھ کر ان کی دھجیاں بکھیر دیں۔ اسی

Marfat.com

لئے آج باہمی معاہدات ہونے کے باوجود تیسری عالمی جنگ کی تلوار پوری دنیا پر لٹک رہی ہے۔ اسلام ایسی پالیسی کی زبردست مذمت کرتا ہے۔ نقضِ عہد کی ہر غیر اخلاقی اور غیر قانونی شکل ممنوع ہے۔ اور مدتِ مقررہ تک عہد کی پاسداری کا حکم دیتا ہے

وَاَتِمُّوْا اِلَيْهِمْ عَهْدَهُمْ اِلٰى مُدَّتِهِمْ ۔ الآیہ

اور اپنا عہد مدتِ مقررہ تک مکمل کرو۔

اگر فریقِ معاہدہ خلاف ورزی کرتا ہے یا اس کی طرف سے معاہدہ میں خیانت کا قوی شائبہ ہو تو بھی مسلمانوں کے لئے ضروری ہے کہ وہ اعلانِ نقضِ معاہدہ کے بغیر کوئی کارروائی نہ کریں۔ یہ وہ ایک اخلاقی ذمہ داری ہے، جسے آج بھی بین الاقوامی امن و جنگ کے قوانین میں بنیادی حیثیت حاصل ہے۔

اللہ کریم کا ارشاد ہے۔

واما تخافن من قوم خیانۃ فانبذ الیھم علی سواء

اور اگر کسی قوم سے خیانت کا خوف رکھو تو معاہدہ ان کے ہاں پھینک دو (یعنی توڑ دو)

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

من کان بینہ وبین قوم عھد فلا یحلن عقدہ حتی ینقض عھدھا او ینبذ الیھم علی سواء ۔ الحدیث۔

اگر تم میں سے کسی شخص اور کسی قوم کے درمیان معاہدہ ہو تو اس معاہدے کو کوئی نہ کھولے حتیٰ کہ وہ اپنے عہد کو توڑ دے یا پھر علی الاعلان عہد سے دستبردار ہو۔

اسی طرح اگر کسی قوم سے معاہدہ ہو اور ان کے مشکوک رویہ سے ایسے آثار دکھائی دیتے ہوں کہ وہ اب عہد شکنی پر آمادہ ہیں اور دشمنانِ اسلام سے ساز باز کر رہے ہیں، تو بھی ان پر اچانک حملہ نہ کیا جائے۔ بلکہ پہلے معاہدہ سے دست برداری کا اعلان کر دیا جائے۔ اور وہ کھلی غداری اور خیانت پر اُتر آئیں تو اعلان کی ضرورت نہیں۔ حالات کی نزاکت کے اعتبار سے مناسب اقدام کیا جا سکتا ہے۔

Marfat.com

عدم مصالحت کی صورتیں

جو غیر مسلم تبلیغ دین کے اس مشن میں آڑے آتے ہیں مسلمانوں کے لئے جور و جفا اور ظلم و استبداد کی پالیسی پر گامزن ہیں۔ ایسے لوگوں سے نرمی اور حسن سلوک کی اجازت نہیں۔ ویسے بھی کسی آزاد اور غیرت مند قوم کے شایان شان نہیں۔ اور پھر ملت اسلامیہ کے لئے یہ کیونکر ممکن ہے کہ ادھر اپنے دینی بھائی ظلم و ستم کی چکی میں پستے رہیں۔ اور ادھر ان سے معاشقہ اور محبت کی پینگیں بڑھاتے رہیں۔ ایسے لوگ کسی احسان اور لطف و کرم کے مستحق نہیں۔ اور یہی لوگ ہیں، جن کے بارے میں قرآن مجید کی ہدایت ہے۔

إِنَّمَا يَنْهَاكُمُ اللَّهُ عَنِ الَّذِينَ قَاتَلُوكُمْ فِي الدِّينِ وَأَخْرَجُوكُمْ مِنْ دِيَارِكُمْ وَظَاهَرُوا عَلَىٰ إِخْرَاجِكُمْ أَنْ ــــــــ وَمَنْ يَتَوَلَّهُمْ فَأُولَٰئِكَ هُمُ الظَّالِمُونَ ۔ الآیۃ۔

بیشک اللہ تعالیٰ تمہیں ان لوگوں سے (دوستی) سے منع کرتا ہے، جنہوں نے دین کے معاملہ میں تم سے جنگ کی۔ تمہیں گھروں سے نکال دیا۔ اور تمہیں نکالنے پر مدد کی، کہ تم ان سے دوستی رکھو۔ اور جو انہیں دوست بنائیں، پس بیشک وہ ظالم (باغی) ہیں۔

اور دوسرا کفار سے ایسے مراسم ممنوع ہیں کہ اپنے معاملات میں سیاہ و سفید کا مالک بنا دیا جائے، اور ہر بات میں ان ہی کے مشورے پر مکمل اعتماد کیا جائے، یا ان کی جانبداری میں کسی دوسری مسلم ریاست کو نقصان پہنچے۔ دین کی رسوائی ہو، دینی بھائیوں کو اذیت پہنچے، یا ان کا وقار اور مفاد مجروح ہو۔

لَا تَتَّخِذُوا بِطَانَةً مِنْ دُونِكُمْ ۔

اپنے غیروں کو رازدان نہ بناؤ۔

لَا يَتَّخِذِ الْمُؤْمِنُونَ الْكَافِرِينَ أَوْلِيَاءَ مِنْ دُونِ الْمُؤْمِنِينَ ۔

مومنوں کے مقابلہ میں کافروں کو مومن دوست نہ بنائیں۔

یا ایھا الذین اٰمنوا لا تتخذوا عدوی و عدوکم اولیاء تلقون الیھم بالمودۃ وقد کفروا بما جآءکم من الحق یخرجون الرسول و ایاکم ۔ الخ

اے ایمان والو! میرے اور اپنے دشمنوں کو دوست نہ بناؤ کہ تم ان سے مودت کا سلسلہ شروع کرو۔ حالانکہ انہوں نے دینِ حق سے کفر کیا۔ تمہیں اور رسول اللہ کو گھر سے نکالتے ہیں۔

آیاتِ بالا میں "بطانة" "دون المومنین" اور "یخرجون الرسول" پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ عدم مصالحت اور جنگی کاروائی اس وقت لازمی ہے، جب وہ مسلم ریاست کے خلاف بطور ہتھیار استعمال کرنا چاہیں یا مسلم رعایا کو ان کے اسلام کی وجہ سے نشانہ ظلم وستم بنائیں۔ جہاد اس دفع ظلم اور قیامِ امن کے لئے مشروع ہے۔

وَمَا لَكُمْ لَا تُقَاتِلُوْنَ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَالْمُسْتَضْعَفِیْنَ مِنَ الرِّجَالِ وَالنِّسَآءِ وَالْوِلْدَانِ الَّذِیْنَ یَقُوْلُوْنَ رَبَّنَآ اَخْرِجْنَا مِنْ هٰذِهِ الْقَرْیَةِ الظَّالِمِ اَهْلُهَا وَاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ وَلِیًّا وَّاجْعَلْ لَّنَا مِنْ لَّدُنْكَ نَصِیْرًا ۝ الآیۃ۔

تمہیں کیا ہوا، اللہ کی راہ میں قتال نہیں کرتے۔ حالانکہ کمزور مرد عورتیں اور بچے بلک بلک کر پکار رہے ہیں، کہ اے اللہ ہمیں ظالموں کے شہر سے باہر نکال۔ اور اپنی طرف سے دوست اور مددگار دے۔

ملک کی سالمیّت

انہی آیات سے "اسلامی ریاست" کے دفاع اور دفا کا اشارہ بھی ملتا ہے۔ یوں اس وطن کی سالمیت اور استحکام خارجہ پالیسی کی اہم کڑی ہے۔ اور وہ جملہ تعلقات خارجہ جس سے ملک کی جغرافیائی اور نظریاتی سرحدوں کو نقصان پہنچے۔ یا ایسے معاہدات وثقافت یا کلچر کے عنوان سے کیوں نہ ہوں۔ اگر افراد ریاست کی اخلاقی اقدار کو متزلزل کردیں تو جائز نہیں۔

مسلم ریاستوں سے تعلقات

دوسری مسلم ریاستوں کے ساتھ تعلقات معاہدہ اسلام کی بنیاد پر قائم ہیں۔ کسی مسلم ریاست کو ایسے معاہدہ میں شرکت کی اجازت نہیں، جو کسی مسلم ریاست کے خلاف جارحانہ کاروائی کو متضمن ہو۔ کیونکہ یہ ملّت اسلامیہ کی وحدت کو پارہ پارہ کرنے کے مترادف ہے۔ اور بالخصوص آج عالم اسلام کو باہمی جنگ و

Marfat.com

جدال کی آگ میں جھونکنے کی تمام تر ذمہ داری اُن ارباب بست وکشا پر ہے، جنہوں نے غیروں کی خوشنودی کے لئے اپنے دینی بھائیوں کے خلاف محاذ آرائی میں حصہ لے کر وحدت اسلامیہ کو زبردست نقصان پہنچایا۔ کل مسلم ریاستیں اخوت اسلامی کے مضبوط رشتے سے ایک وحدت کی حیثیت رکھتی ہیں۔ تاہم دین مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم میں ملتِ اسلامیہ کے مختلف گروہوں کا ان کی اپنی الگ الگ نوعیت کے لحاظ سے ان کے باہمی، دینی، سیاسی اور معاشی تعلقات اور حقوق و فرائض کی نوعیت بیان کر دی گئی۔

وہ مسلمان جو غیر مسلم ریاست کی رعایا ہیں، بخوشی اس کی شہریت قبول کر لیں۔ دینی برادری کے لحاظ سے بے شک ان سے برادرانہ تعلقات نہیں۔ لیکن سیاسی نقطۂ نگاہ سے وہ مسلم ریاست کے ذمہ حفاظت سے باہر ہیں۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے

والذین امنوا ولم یھاجروا مالکم منه ولامنهم من شیء حتی یھاجروا ط الآیہ۔

اور جو لوگ ایمان لائے اور ہجرت نہ کی تو تم پر ان کی کوئی ذمہ داری نہیں حتیٰ کہ وہ بھی ہجرت کر لیں۔

اور اگر وہ ظلم وستم کا شکار ہو جائیں تو مسلم ریاست کا یہ دینی فرض ہے کہ وہ سفارتی سطح پر بین الاقوامی قوانین کی روشنی میں ان کی مدد کریں۔ ہر صورت میں ریاستی قوانین کی پاسداری اور اس کا احترام قیام امن کے لئے ضروری ہے۔ ایسی صورت اگر پیدا ہو جائے تو اسلام کی پالیسی یہ ہے کہ:۔

وَاِنِ اسْتَنْصَرُوْكُمْ فِى الدِّيْنِ فَعَلَيْكُمُ النَّصْرُ اِلَّا عَلٰى قَوْمٍ بَيْنَكُمْ وَبَيْنَهُمْ مِّيْثَاقٌ ط الآیہ۔

اور اگر وہ دین کے معاملہ میں مدد مانگیں تو تم پر مدد لازم ہے۔ ہاں! مگر اس قوم پر نہیں جن کے ساتھ تمہارا معاہدہ ہے۔

اس رو سے دولتِ اسلامیہ کی ذمہ داری ان مسلمانوں تک محدود ہے، جو اس کی حدود کے اندر

Marfat.com

وہیں۔ باہر کے مسلمانوں کا ذمّہ اس کے سر نہیں۔ یہ وہ بات ہے جس کی طرف رسول اللہ صلی اللہ علیہ و سلم نے اشارہ کرتے ہوئے فرمایا۔

اَنَا بَرِیٌٔ مِنْ کُلِّ مُسْلِمٍ بَیْنَ ظُھُرَانِیِّ الْمُشْرِکِیْنَ۔

میں ہر اس مسلمان سے بری ہوں جو مشرکوں کے درمیان رہتا ہے۔

صلح حدیبیہ کے موقع پر حضرت ابو جندلؓ اور حضرت ابو بصیرؓ کے ساتھ یہی معاملہ درپیش ہوا مگر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے معاہدہ کی پاس داری کرتے ہوئے انہیں صبر و استقامت کی تلقین فرمائی۔ اور انہیں واپس بھیج دیا۔ تاہم ان پر اگر تعدّی اور ظلم ہو تو بین الاقوامی قوانین کے مطابق انکی مدد کی جائے۔ اسلام کی خارجہ پالیسی میں سب سے زیادہ اہمیت خیر اور بھلائی کے فروغ پر ہے۔ بلا تمیز رنگ و نسل اور جغرافیائی حدود کے مسلم ریاست امن و انصاف اور حق دار کو اس کا حق دلانے اور خدمتِ انسانیت اور حقوقِ انسانیت کے تحفظ کی ہر کوشش میں دوسری قوموں کے ساتھ ہے۔ اللہ کریم نے ملّتِ اسلامیہ کو بھلائی میں تعاون کرنے کا حکم دیا۔

تَعَاوَنُوْا عَلَی الْبِرِّ وَالتَّقْوٰی وَلَا تَعَاوَنُوْا عَلَی الْاِثْمِ وَالْعُدْوَانِ۔

نیکی اور پرہیزگاری پر تعاون کرو۔ اور گناہ و ظلم پر تعاون نہ کرو۔

قرآن و حدیث کے مطالعہ سے یہ حقیقت کھل کر سامنے آجاتی ہے کہ مسلم ریاست اپنی خارجہ پالیسی کے مخصوص طرز کے اعتبار سے صلح کل، امن و انصاف اور احترام انسانیت کو پوری دنیا میں دیکھنا چاہتی ہے۔

Marfat.com

اِسلام کا نظامِ تعلیم

اسلام کے نزدیک انسانیّت کا نقطۂ آغاز علم و عرفان کی روشنی ہے۔ خالقِ کائنات نے علم و آگہی اور معرفت حقائق اشیاء کی صلاحیتیں ودیعت فرما کر خلافتِ ارضی کے اعزاز سے سرفراز کیا۔ اور اپنی عظیم قدرتوں کا شاہکار بنایا۔ یہی آزمائش ہے کہ انسان ان خداداد صلاحیتوں کو کیوں کر استعمال کرتا ہے۔ اور یہ کہ علم و عرفان کی روشنی سے خاکدانِ تاریک میں اُجالا کرنے کے لئے اس کی کاوشیں خلیفۃ اللہ فی الارض ہونے کی حیثیت سے اس کی انفرادی اور اجتماعی سرگرمیاں کس حد تک خالقِ حقیقی کی رضا جوئی کے لئے ہیں۔

یوں تو انسان خدا تعالیٰ کی لاتعداد تخلیقات میں سے ایک ہے۔ لیکن ان سے ممیز اور ممتاز ہے۔ اللہ تعالیٰ اُسے دُنیا کو تصرّف میں لانے کے لئے بھیجا۔ شمس و قمر اس کی خدمت پر مامور ہیں۔ زمین اس کے لئے گوناگوں نعمتیں اُگل رہی ہے۔ مناظرِ قدرت اس کے لئے فردوسِ نگاہ ہیں۔ بحر و بر پر اس کی حکمرانی کا سکہ رواں ہے۔ یہ محض ایک حیاتیاتی کیڑا نہیں، جس کی احتیاجات صرف مادی عناصر سے پایۂ تکمیل کو پہنچ سکتی ہیں۔ بلکہ اس جسمِ خاکی کے پیچھے ایک اور قوت بھی ہے، جو ہے تو غیر مرئی لیکن انسان کو دوسرے اجسام مادی سے جُدا کرتی ہے۔ دیکھئے نہیں، اگر انسان محض اس قد و قامت اور جسمِ مادی کا نام ہے تو ان چلتے پھرتے مویشیوں اور اس میں کیا فرق ہے کہ بھوسہ کھا کر جن کی مادی احتیاجات (MATE-RIAL) کی تسکین ہو سکتی ہے۔ اللہ اللہ! کیا خوب مقامِ انسانیّت جو مادی دُنیا سے پرے رُوحانی

Marfat.com

کمالات کے حصول کی منزل رفیع ہے۔ یہ انسان گوشت و پوست ہی کا نام نہیں۔ بلکہ جسم و روح سے عبارت ہے۔ دونوں کے تقاضے مختلف ہیں۔ "انسانیت" کو سمجھنے میں بڑے بڑے فلاسفروں نے ٹھوکریں کھائیں۔ کسی نے جسم طبعی کو سبھی کچھ سمجھا۔ اور انسان کو معاشی حیوان بنا کر رکھ دیا۔ کسی نے جسم طبعی کو بالکل نظر انداز کر دیا۔ اور مادی دُنیا سے کٹ کر رہ گئے۔ لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے دُنیا میں رہ کر دُنیا برت کر مادی و روحانی احتیاجات کی تسکین کا جامع دستور دیا۔

انسانی تاریخ میں ایسے بھی دَور گزرے، جب انسان نے مادی لذتوں کو مقصد آخر سمجھ لیا۔ اور عقل و خرد کے سارے نشیمن پھونک ڈالے۔ یہ اشرف المخلوقات کبھی پتھروں کی پوجا کرنے لگتا ہے، اور کبھی سورج کی۔ جب قلب مرکزِ عشق الٰہی نہیں رہتا۔ نگاہ عبرت کا سامان تلاش نہیں کرتی۔ گوش نغمۂ فطرت سے بے بہرہ ہو جاتا ہے۔ تو وہ انسان بظاہر انسان ہونے کے باوجود انسانیت کی منزل رفیع سے گر جاتا ہے۔ اور بقول قرآن مجید اُولٰٓئِكَ كَالْاَنْعَامِ بَلْ هُمْ اَضَلُّ (یہ چوپایوں کی طرح، بلکہ زیادہ گمراہ ہیں۔)

اللہ تعالیٰ نے اپنے غایت فضل و کرم سے بھٹکے ہوئے قافلۂ انسانیت کو راہِ راست پر گامزن کرنے کے لئے انبیاء کرام علیہم السلام کو مبعوث فرمایا۔ جنہوں نے گم گشتگانِ راہ و اسیرانِ حرص و آز کو جھنجھوڑا، دعوتِ حق دی۔ اور فکر و عمل کو نیا رُخ بخشا۔

چھٹی صدی عیسوی کا زمانہ بھی اس لحاظ سے کچھ کم پُر آشوب نہیں تھا۔ توحید کے وہ دیئے جو انبیاء سابقین علیہم السلام نے روشن کئے تھے، تقریباً بُجھ چکے تھے۔ ہر طرف بداخلاقی، بے دینی اور جہالت کے گھٹاٹوپ اندھیروں میں انسانیت اور شرافت دم توڑ رہی تھی۔ مختصر یہ کہ ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَالْبَحْرِ۔ کی ہمہ گیر کیفیت طاری تھی۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے ساتھ علوم و معارف کا ایک خزینہ لائے۔ جہالت و ناخواندگی کی پُر ظلمت فضا میں اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِيْ خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْاِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ۔ کے پیغام سے اپنے سفر کا آغاز کیا۔ قرآنی دعوتِ فکر نے قلب و ضمیر کو جھنجھوڑا اصنام پرستی اور باطل پرستی کی ہر ممکن صورت کو ختم کیا۔ غیر اللہ کی پرستش سے نجات دلائی۔ اور خالق

Marfat.com

کائنات کے لئے سجدہ ریزی اور سپاس گذاری کے آداب سکھائے۔ رہنے سہنے کے انداز بتائے۔ اور نظم معاشرہ کے گُر سکھائے۔

درشبستانِ حرا خلوت گزید
قوم آئین و حکومت آفرید

عالمِ امکان کے آئینہ میں احوالِ واقعی کا جائزہ لیں تو یوں محسوس ہوتا ہے کہ معاشرہ پھر اسی نہج پر آگیا ہے، جہاں آج سے چودہ سو سال قبل تھا۔ وہی بے راہروی، شراب نوشی و قمار بازی بداخلاقی و سود خوری، صرف عنوانات بدلے ہیں معنون ایک ہی ہے۔ سود کو منافع کہا۔ حرام پر حلال کا لیبل لگایا۔ پہلے پتھروں کے لات و منات کی پوجا۔ اب باطل نظریات کے اصنام کی پوجا ہو رہی ہے۔

اسلامی نظامِ فکر میں ایسا انقلاب برپا کرنے کی پوری پوری صلاحیت موجود ہے۔ جس نے عرب کے، تہذیب و تمدن اور اخلاق و ثقافت سے ناآشنا افراد کو علوم و معارف کا عارف اور اسرار فرقانی کا رہنما بنا دیا۔ معلّم اخلاق اور فاتح عالم بنا دیا۔

تمدّن آفرین خلاق آئین جہانداری
وہ صحرائے عرب یعنی شتربانوں کا گہوارہ

اسلام کو عملی طور پر اپنی انفرادی اور قومی زندگی میں بطورِ دستورِ حیات نافذ نہ کرنے سے نہ صرف خدا کی ناراضگی مول لی ہے۔ بلکہ اقوام عالم میں بھی معتوب ہوئے۔

نئی نسل میں دین سے دوری کے رجحانات بڑھتے جا رہے ہیں۔ اور یہ کوئی غیر متوقع نہیں ہے۔ کیونکہ ہمارے ہاں جو نظامِ تعلیم رائج ہے، وہ نہ ہماری اقدار کا حامل ہے اور نہ قومی ثقافت کا ترجمان! بلکہ لادینی فکر کا زبردست سیلاب جس میں ہماری ملی اقدار خس و خاشاک کی طرح بہتی جا رہی ہیں۔ اور بقول اقبال

یہ اہلِ کلیسا کا نظامِ تعلیم ایک سازش ہے
فقط دین و مروت کے خلاف

Marfat.com

اس گھناؤنی سازش کی ایک واضح تصویر لارڈ میکالے کی رپورٹ سے منظر عام پر آئی ہے جس میں یہ کہا گیا کہ ہم ایسی ٹیم تیار کرنا چاہتے ہیں جو ہمارے اور محکوم طبقہ کے درمیان ترجمانی کا کام دے۔ اور وہ ایسے افراد پر مشتمل ہو جو گوشت و پوست کے اعتبار سے ہندی ہوں، لیکن ان کا طرزِ فکر، ذہنی رجحان اور طور طریقے فرنگی ہوں"۔ نتائج ہمارے سامنے ہیں۔

ذہنی غلامی جسمانی غلامی سے کہیں زیادہ مہلک ہوا کرتی ہے، جو دیمک کی طرح خود اعتمادی کو چاٹ لیتی ہے اور گھن کی طرح قومی تشخص اور ثقافت کی بنیادوں کو اندر سے کھوکھلا کر دیتی ہے۔ ان مضرات سے بچنے کے لئے اور قومی و ملی اقدار و ثقافت کی عمارت کو استحکام بخشنے کے لئے اسلامی نظامِ تعلیم کا نفاذ ناگزیر ہے۔ یہی نظام ہماری دینی اقدار کا محافظ، اسلاف کی میراث کا امین اور خوابیدہ تخلیقی قوتوں کو جلا بخشنے کا ضامن ہے۔

آج جب مختلف حلقوں سے "اسلامی نظامِ تعلیم" کے نفاذ کا مطالبہ دہرایا جاتا ہے۔ تو ایک طبقہ اسے ناقابلِ فہم اور ناقابلِ عمل سمجھتا ہے۔ دراصل بات یہ ہے کہ وہ متکلم کے ان الفاظ کو سنتے ہیں۔ اور پھر ان الفاظ کو اپنے مفہوم کا جامہ پہناتے ہیں جس کے نزدیک اسلام چند مخصوص رسم و رواج اور عبادات سے عبارت ہے۔ وہ بہر حال یہی سمجھیں گے کہ اسلامی نظامِ تعلیم سے مراد نماز و روزہ کی رکعات کی تعداد جاننے کی ایک کوشش ہے اور بس۔ یہ مطالبہ سنتے ہی ان کے ذہن میں ایک ایسی شخصیت کا تصوّر اُبھرتا ہے جو جبّہ و دستار سے عبارت ہے۔ جسے معاشرہ میں بجز محراب و منبر کے اور سماجی و اقتصادی اور حکومتی معاملات میں عمل دخل کا قطعی حق نہیں۔ اس لئے یہ وضاحت ضروری ہے کہ ہمارے اس مطالبہ میں "اسلام" اور "نظامِ تعلیم" کس مفہوم میں مستعمل ہیں۔ تاکہ کسی قسم کے ابہام اور شک و شبہ کی گنجائش باقی نہ رہے۔

"اسلام" کے لغوی معنی جھکنا، دعوت قبول کرنا اور امن و سلامتی کے ہیں۔ اول الذکر معنی کے اعتبار سے اسلام عبودیت کاملہ اور کامل سپردگی ہے۔ اور مؤخر الذکر کے اعتبار سے اسلام سماجی عدل و انصاف اور امن و سلامتی کا نام ہے۔ یا یوں کہیئے کہ حقوق العباد اور حقوق اللہ کی حُسن ادائیگی اسلام کا مقصود و معنی ہے۔ احساسِ بندگی اور احساسِ سپردگی وہ جوہر ہے، جو انسان کی انفرادی اور اجتماعی زندگی میں

Marfat.com

انقلاب پیدا کرتا ہے۔ باہمی معاملات میں وہ وہی راہ اپنے لئے متعین کرتا ہے۔ جو اپنے رب کی مرضی اور منشا کے مطابق ہوتی ہے۔ نفسانی خواہشات کسی طرح بھی اس طرزِ عمل میں دخیل نہیں ہو سکتیں۔ اور یہی احساس معاشرتی امن اور سلامتی کا باعث بنتا ہے۔ یوں اسلام ایک طرف خدا کے حضور میں جوابدہی کا تصوّر اُبھار کر اصلاح نفس کا کام لیتا ہے اور دوسری طرف صالح اور پاکیزہ معاشرہ کی تعمیر میں ممدّ و معاون ثابت ہوتا ہے۔

اسلام ایک نظریۂ حیات ہے جو دین و دنیا کی وحدت، اتصال مادہ و روح، ارتباطِ معاش و معاد توافق عقل و وجدان کا قائل ہے۔ اس میں انفرادیت اور اجتماعیت کی حدود متعین ہیں۔ حقوق فرد کے بھی ہیں۔ اور جماعت کے بھی۔ کچھ فرائض اس پر لازم ہیں اور کچھ فرد پر۔ یہی وہ راہ اعتدال ہے، جو موجودہ دَور کی نظریاتی عالمی جنگ میں اسلام کا طُرّۂ امتیاز ہے۔ یہ ایک ناقابلِ تقسیم کل ہے، جس کا نظام اخلاق و معاشرت، طرزِ حکومت و سیاست اور طریقۂ اقتصاد و معاش عبودیتِ کاملہ اور احساسِ سپردگی کے گرد گھومتا ہے۔

تعلیم مصدر ہے۔ اس کا مادہ علم ہے۔ باب تفعیل میں تعدیت کا معنی پایا جاتا ہے۔ گویا کسی تک کوئی بات پہنچانا اور کسی کو آگاہ کرنے کی کوشش تعلیم کہلاتی ہے۔ نظامِ تعلیم سے مراد وہ اجتماعی کوشش ہے، جس میں اسلاف ارتقائے تہذیب و تمدن کے سلسلہ میں اپنے افکار اخلاف کو منتقل کرتے ہیں۔

بنیادی طور پر نظامِ تعلیم کی مخصوص نظریۂ حیات سے تکوین ہوتی ہے۔ نظریۂ حیات ہی دراصل کسی تحریک کی فکری اساس مہیا کرتا ہے۔ جو ایک طرف اس قوم کے بنیادی مسائل کا حل اور دوسری طرف تہذیبی، تمدنی اور سیاسی پروگرام ترتیب دینے میں بنیادی محرک بنتا ہے۔ اور حق یہ ہے کہ نظریۂ حیات کے بغیر انسان کی انفرادی و اجتماعی زندگی میں نہ تو کوئی ربط قائم رہ سکتا ہے اور نہ ہی عمل و کردار اور سیرت کے لئے مستقل اصول وضع کئے جا سکتے ہیں۔ یا یوں کہ نظامِ تعلیم مخصوص فلسفہ حیات کا نتیجہ ہوا کرتا ہے۔ اس کے پس منظر میں مابعد الطبیعاتی عقائد، بعض فلسفیانہ تصورات زندگی اور کائنات کے بارے بعض عقلی رویّے کام کرتے ہیں۔

Marfat.com

اور موجودہ دور میں تو جتنی ریاستیں یا حکومتیں وجود میں آئی ہیں، کسی نہ کسی فلسفۂ حیات پر ایمان رکھتی ہیں۔ سیاسی افکار میں محاذ آرائی ہو یا میدانِ اقتصاد میں جذبۂ مسابقت، فنی و تکنیکی مہارت کا مظاہرہ ہو یا عسکری قوت میں ایٹم بموں کے تجربات، تجارتی معاملات ہوں یا سیاسی گٹھ جوڑ، سب کے سب اسی مخصوص فلسفۂ حیات سے بنیادی طور پر مربوط ہیں۔ اور یہ کیسے ممکن ہے کہ "نظام تعلیم" کو اسی مخصوص فلسفۂ حیات کی خدمت کے لئے نہ وضع کیا جائے۔ کیونکہ نظام تعلیم ہی پڑھے لکھے طبقہ میں مخصوص سیاسی، ثقافتی اور تہذیبی روایات کی واقفیت بہم پہنچاتا ہے۔ اور زندگی کی جس سطح پر ایک فرد ہے، وہ ان اقدار کے تحفظ اور ان کی ترویج میں بھرپور کردار ادا کرتا ہے۔

"اشتراکیت اور سرمایہ داریت" کے دو متحارب گروہوں کے نظام ہائے تعلیم کو اس ضمن میں بطور مثال پیش کیا جا سکتا ہے۔

فلسفۂ اشتراکیت معاشرہ میں اقدار کی اساس معاشی و مادی قرار پاتی ہیں۔ ان اقدار کا خالق ان کے نزدیک خود انسان ہے اور انسان کی غایت مادی اغراض کی تسکین ہے۔ ہر شعبۂ تعلیم میں اس امر کا خصوصیت سے لحاظ رکھا گیا ہے۔ لادینیت انہی مادی اقدار کی پرستش سے جنم لیتی ہے۔ اس لئے اشتراکی معاشرہ میں لادینیت ایک اساسی مسلمہ کے طور پر تسلیم کی جاتی ہے۔ اور تعلیم اس روش پر دی جاتی ہے کہ دین و مذہب کی پابندیاں ٹوٹ ٹوٹ جاتی ہیں۔ اب اشتراکی معاشرہ مکمل طور پر لادینی ہو جاتا ہے۔ ماسکو یونیورسٹی کے سابق صدر پیکوس نے نظامِ تعلیم کے سلسلہ میں کہا تھا کہ اسکول کا ڈھانچہ ایسا ہو جو سماجی شعور کی نشو و نما میں ممد ثابت ہو سکے اور مستقبل کے اشتمالی انقلابیوں کو اشتراکیت کی تربیت دے سکے۔ اور یہ بھی ظاہر ہے کہ افراد کو اشتراکی ضابطۂ حیات کی حقانیت کا عملی طور پر یقین اسی صورت میں ہو سکتا ہے کہ انہیں فوق الفطری مسلمات و توہمات سے دور رکھا جائے۔ غرض یہ کہ تمام مافوق الفطری توانائیوں اور صداقتوں کے بجائے ارضی اور مادی صداقتوں کی تعلیم اشتراکی نظامِ تعلیم کی اہم خصوصیت ہے۔ اس فلسفۂ حیات کو نصاب میں نمایاں مقام دیا گیا ہے، جس کی ایک جھلک آپ مندرجہ ذیل جدول میں بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔

Marfat.com

نصاب الف طبیعات پانچ سالہ کورس

کل گھنٹے	سمسٹر گھنٹے	مضامین
۲۲۴	۱۴	تاریخ اشتراکی پارٹی جمہوریہ روس
۱۶۰	۱۰	اشتراکی معیشت
۱۵۸	۱۳	جدلیتی اور تاریخی مادیت
۴۱۵	۲۳	ریاضیاتی تحلیل
۱۴۸	۹	ہندسہ تحلیل
		دیگر اختیاری مضامین

نصاب (ب) حیاتیات وکیمیا پانچ سالہ کورس

اس میں مندرجہ بالا مین لازمی مضامین کے علاوہ نامیاتی وغیر نامیاتی کیمیا اور حیاتیاتی کیمیا کا اضافہ کر دیا جاتا ہے۔ اور سائنس کی تدریس کے لئے اساتذہ کو اس طرح تیار کیا جاتا ہے کہ وہ سائنس کو کام میں لا کر اشتراکی نظریہ کے بارے میں مکمل معلومات حاصل کرلیں۔

یہی حال سرمایہ دارانہ نظام میں ہے۔ اس میں "تاریخ کی مادی تعبیر" کا فلسفہ نبیادی محرک کی حیثیت رکھتا ہے۔ سماجی اور معاشرتی اعتبار سے سرمایہ دارانہ نظام کو باقی رکھنے والی تعلیم سماجی طبقات کو باقی رکھنے میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ معاشی مخاصمت سے پیدا ہونے والے مختلف طبقات کا باقی رہنا اس کے حق میں مفید ہے۔ لہذا اس نظام میں تعلیم کا تصور یہی رہتا ہے کہ وہ ان امتیازات اور طبقات کو باقی رکھنے میں ممد ثابت ہو۔ اس لئے دیدہ و دانستہ تعلیمی مصارف اس قدر زیادہ رکھے جاتے ہیں کہ مزدور طبقہ ہمیشہ ان میں محکوم رہے۔ اور کوئی اعلیٰ ذہانت کا مظاہرہ کرکے تعلیمی وظیفہ حاصل کر بھی لے تو کوشش یہ کی جاتی ہے کہ وہ اپنے اساسی سماج سے مکمل طور پر کٹ کر دوسرے سماج میں داخل ہو جائے۔

اس بحث میں یہ واضح کرنا مقصود ہے کہ نظام تعلیم مخصوص نظریہ حیات کے تحفظ کا ضامن ہوتا ہے۔ لہذا ہر نظریۂ حیات کا مخصوص نظام تعلیم ہوتا ہے۔ جو اسی کے مزاج کے مطابق ہوتا ہے۔

Marfat.com

اب جب کہ یہ ثابت ہو گیا کہ اسلام بذاتِ خود ایک جامع و مانع ضابطۂ حیات ہے، تو لازمی طور پر نظامِ تعلیم بھی ایسا ہی جامع ہونا چاہیئے جو قرآن و سُنّت کے اساس نظریات و تعلیمات کی روشنی میں دُنیا و آخرت میں کامیابی کی ضمانت دے۔

مختلف نظام ہائے تعلیم کے تقابلی مطالعہ میں اسلامی نظامِ تعلیم بالکل جداگانہ حیثیت رکھتا ہے۔

ایک مسلمان کی تعلیم و تربیت اس کی ولادت کے آغاز سے شروع ہو جاتی ہے۔ اور پہلی آواز جو اس کے پردۂ گوش سے ٹکراتی ہے، وہ آذان کی آواز ہے، جو اللہ کی بندگی اور محمّد مصطفٰے صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت، نماز کی اہمیت اور اجتماعی فلاح کا جامع پروگرام ہے۔ اسی میں حیات انسانی کی مقصدیت کا اظہار بھی ہے۔ انسان جب پیدا ہوتا ہے، اس کا ذہن ایک سادہ پلیٹ کی مانند ہوتا ہے۔ جس پر خارجی ماحول سے اٹھنے والی تحریکات کے اثرات مرتسم ہوتے ہیں۔ والدین پر اس کی تکوین و تعمیرِ سیرت کا انحصار ہے کہ چاہیں تو اسے یہودی بنائیں، چاہیں تو نصرانی۔ اس لئے اسلام نے پہلے ہی سے توحید و رسالت کا نقش اس سادہ لوح پر رقم کرنے کا حکم دیا۔ کیونکہ یہی وہ جوہر ہے، جو ایک مسلمان کی سیرت و کردار کے لیے مستقل بنیادیں مہیا کرتا ہے۔ تو گویا بچے کا پہلا سکول آغوشِ مادر ہے والدین کو رزقِ حلال سے بچے کی جسمانی تربیت کی تلقین کی گئی ہے۔ کیونکہ بقولِ اقبال مرحوم عقل و دانش رزقِ حلال سے پیدا ہوا کرتی ہے۔

حضرت آدم علیہ السلام کو انسانیت کا دورِ طفولیت سمجھیں تو اس عمر میں بچے کی تعلیم جس مرحلہ میں داخل ہوتی ہے وہ اشیاء کے نام سکھانا ہے۔ جس کی طرف عَلَّمَ اٰدَمَ الْاَسْمَآءَ كُلَّهَا سے اشارہ ملتا ہے۔ اور ثُمَّ عَرَضَهُمْ عَلَى الْمَلٰٓئِكَةِ سے یوں راہنمائی ہوتی، کہ بچے کے ہاتھوں میں چیزیں دے کر پوچھا جائے ان کا نام کیا ہے۔ انسان صرف جسم تو ہے نہیں۔ اس میں عقل بھی ہے اور غور و فکر کی صلاحیتیں بھی۔ جستجو اور تلاش اس کی فطرت میں ہے۔ وہ جس ماحول میں ہے۔ اور جو کچھ دیکھتا ہے۔ وہ اسے جاننا چاہتا ہے۔ اس کے بغیر اس کی تسکین نہیں ہوتی۔ یہ ایک فطری طریقۂ تعلیم ہے کہ بچے اس عمر میں مختلف اشیاء کے نام پوچھنے پر اصرار کرتے ہیں۔ اور اسلام بھی چونکہ دینِ فطرت ہے، اس لئے تعلیم و تربیت کا وہی

Marfat.com

نظام مہیا کیا جو فطرتِ انسانی کے عین مطابق ہے۔ یہ ارتقائے فکر کا پہلا زینہ ہے جس میں انسان اپنے ارد گرد جو کچھ دیکھتا ہے، اس کا سرسری علم حاصل کرنا چاہتا ہے۔

یہ دور تقریباً تین چار سال تک رہتا ہے۔ والدین کو خود بچوں کے سامنے بطور نمونہ کردار ادا کرنا ہوتا ہے۔ علمی ترقی کے ساتھ ساتھ بچے کی کردار سازی کو بھی اتنی ہی اہمیت دی ہے۔ پانچ سال کے بچے کے لئے نماز کی تعلیم کو لازمی قرار دیا۔ اور اس سے بڑی عمر کا ہو جائے تو سرزنش کو بھی روا رکھا کیونکہ کم سنی میں اعمال صالحہ کی ادائیگی جزوِ طبیعت بن جاتی ہے۔ اور اسی عمر میں غفلت کی گئی اور بدعملی راہ پائے تو پھر جو انجام ہوگا وہ کسی پر مخفی نہیں۔

خشتِ اول چوں نہد معمار کج
تا ثریا می رود دیوار کج

تاریخ اسلام کے مختلف ادوار کا مطالعہ کریں تو معلوم ہوتا ہے کہ اس عمر کے بچوں کو مکتب میں جو عموماً مساجد سے ملحق ہوا کرتے تھے۔ مصحف شریف ناظرہ یا حفظ پڑھایا جاتا تھا۔ اور جب بچپن ہی سے انسان اس ہدایت نامہ سے مانوس ہو جاتا ہے تو مستقبل کی زندگی میں اسے اپنا لیتا ہے۔ یوں پانچ چھ سال کی عمر تک ایک مسلمان بچے کا کردار ایک مخصوص معیار میں ڈھلنے لگتا ہے۔ مسجد میں عمر رسیدہ لوگوں سے میل ملاپ اور ہم عمر بچوں سے علیک سلیک معاشرتی شعور اور نظم و ضبط غیر شعوری طور پر فکری و عملی اساس مہیا کرتا ہے، جو آگے چل کر مستقبل میں اس کی جماعتی زندگی میں اہم کردار ادا کرتی ہے۔ سنّ بلوغ پر عقلی صلاحیتیں ارتقائی مراحل بڑی تیزی سے طے کرتی ہیں۔ سابقہ معلومات کی روشنی میں کائنات اور اس مظاہر فطرت کے بارے جاننے کی خواہش (ENQURIES) پیدا ہوتی ہے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کا نمرودی قوتوں کے خلاف جو استدلال مظاہر فطرت اور نظم کائنات سے تھا۔ انسانیت کا دورِ بلوغت تھا۔ اس علم و عرفان سے عمل و ایمان کی پختگی جنم لیتی ہے۔ پھر قدرت نے حضرت ابراہیم علیہ السلام کا امتحان لیا۔ یہ غور و فکر اور استدلال کا دور ہے۔ جو ارتقائے انسانیت میں آیا۔ تجربیت کی بنا ہوئی حضرت ابراہیم علیہ السلام نے عرض کی۔ کَیْفَ تُحْیِ الْمَوْتیٰ۔ اے بلدِ الٰہ! تو مُردوں کو کیسے

Marfat.com

زندہ کرتا ہے۔ قَالَ اَوَلَمْ تُؤْمِنْ۔ کیا تجھے اس پر ایمان نہیں۔ عرض کیا، ایمان تو ہے، لیکن مزید اطمینان قلب کے لئے۔ قَالَ فَخُذْ اَرْبَعَۃً مِّنَ الطَّیْرِ۔۲/۲۶۰۔ چار پرندوں کے ٹکڑے کیجئے۔ اور مختلف پہاڑوں کی چوٹیوں پر رکھ دیجئے۔ پھر اپنی طرف بلائیں۔ وہ کیسے بھاگے بھاگے آتے ہیں۔ یہ تجربیت کا مرحلہ ہے۔ علم الیقین، عین الیقین کے بعد کا سب سے اونچا درجہ حق الیقین۔ یہ واقعہ اس امر کی طرف اشارہ کرتا ہے کہ حسّی مشاہدہ کے بعد تجربیّت اور استدلال کے طریقہ پر اسلام کے تصوّرِ کائنات کو ذہن نشین کرایا جائے۔

اس کے بعد انبیاء کرام علیہم السلام جن میں حضرت داؤد علیہ السلام شامل ہیں، قافلۂ انسانیّت کی مدد اور کفالت کے لئے صنعت و حرفت (SCIENCE AND TECHNOLOGY) کی راہ دکھائی۔ قرآن مجید کی آیات اس پر گواہ ہیں۔ یہ ہے دینِ فطرت کے فطری نظامِ تعلیم کی ارتقائی کڑیاں، جس میں معرفت ذات اور معرفت نفس کے بعد اس تعلیم کا آغاز ہوتا ہے جو پیشوں سے متعلق ہے، جس پر معاشرہ کی فلاح وبہبود کا دار و مدار ہے۔

قافلۂ انسانیّت کی تعلیم و تربیت کا ایک مقصد نظم ریاست ہے۔ حضرت یوسف علیہ السلام اپنے دور کے نمائندہ ہیں۔ الغرض خاتم الانبیاء حضرت محمدؐ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر علم و حکمت، عقل و دانش اور ریاست و حکومت کے اعتبار سے "انسانیت" اپنے کمال کو پہنچ گئی۔ یہ اسلام کے فطری نظامِ تعلیم کا تاریخی پس منظر ہے۔

اسلامی نظامِ تعلیم کا بنیادی مقصد انسان کو خود شناس بھی بنانا ہے۔ اور خدا شناس بھی غور و فکر قرآن مجید کی رو سے آیاتِ الٰہی کا مطالعہ ہے۔ اور کائنات کا ذرّہ ذرّہ خدا تعالیٰ کی وحدانیّت کا پتہ دیتا ہے۔

وفی کل شی لہ اٰیۃ

تدل علی انہ واحد

کائنات میں غور و تدبّر کرنے والوں کے لئے قرآنِ مجید نے حق تک پہنچنے کی ضمانت دی۔

وسنریھم اٰیاتنا فی الاٰفاق وفی انفسھم حتی یتبین لھم انہ الحق۔ الآیۃ

ہم ان کو اپنی آفاق و انفس کی نشانیاں دکھائیں گے یہاں تک کہ ان پر واضح ہو جائے کہ یہی

حق ہے۔

لیکن یہ فکر و تدبر اس شخص کے لئے مفید ہے، جو پہلے سے اللہ رب العزت پر ایمان رکھتا ہو۔ اور مبادیات دین کو مانتا ہو۔ ورنہ عقل و ادراک کی یہ قوت پرواز اسے منزل انسانیت اور مقصدیت سے بہت بعید کر دے گی۔ اور بقولِ اقبالؒ۔

کافر کی یہ پہچان کہ آفاق میں گم ہے
مومن کی ہے پہچان کہ گم اس میں ہیں آفاق

یہی حال ماہر نفسیات کا۔ اگر پیغام رسل و انبیاء علیہم السلام کو تسلیم کر کے اپنی ذات میں تدبر کیا جائے تو خود شناسی کی یہ فکری ریاضت خدا شناسی تک پہنچاتی ہے۔ علامہ اقبال نے کتنے عمدہ انداز میں لادین ماہر نفسیات کو خبردار کیا۔

جرأت ہے تو افکار کی دنیا سے گذر جا
ابھی بحرِ خودی میں ہیں پوشیدہ جزیرے
کھلتے نہیں قلزمِ خاموش کے اسرار
جب تک اسے تو ضربِ کلیمی سے نہ چیرے

یہی وہ بنیادی تصور ہے، جس کے ہوتے ہوئے طبیعات، نفسیات، ارضیات، نباتیات، حیاتیات، طب و فلکیات جیسے علوم کا مطالعہ جادۂ حق اور منزلِ سعادت تک پہنچا دیتا ہے۔ ایسے انسان کے بارے میں بجا طور پر یہی کہا جا سکتا ہے کہ وہ ان علوم کی تحصیل سے بنی نوع انسانیت کی بہتری اور بھلائی کیلئے نت نئی ایجادیں کرتا ہے۔ ورنہ مادی ذہن کے حامل سائنسدان مہلک ترین ہتھیار بنانے اور انسانی بستیوں کو اجاڑنے میں فخر محسوس کرتا ہے۔

اس بحث سے مقصود یہ ہے کہ اسلام انسان کو انسانیت پہلے سکھانا چاہتا ہے۔ اور پیشہ ورانہ تعلیم، اس کے بعد لادینی اشتراکی اور سرمایہ دارانہ نظامِ تعلیم اور اسلامی نظامِ تعلیم میں یہی بنیادی فرق ہے۔

Marfat.com

اسلامی نظام تعلیم کے پیشِ نظر انسانی ذہن پر معلومات کا ایک بار گراں ڈالنا نہیں۔ اور نہ اسلامی نظامِ تعلیم میں اس بات کو اہمیت حاصل ہے کہ کوئی کتنی کتابوں کا حافظ ہے۔ بلکہ اسلام میں ان معلومات و افکار کو معرفت رب العزت کا ذریعہ سمجھا جاتا ہے۔ اسلام صرف تعلیم پر بس نہیں کرتا۔ بلکہ اس کے ساتھ عملی تربیت کا تقاضہ بھی کرتا ہے۔ علم سے مقصود کردار سازی ہے۔ اخلاق حسنہ سے متصف ہونا اور بہترین شہری بننا ایک مسلم طالب علم کا منتہائے نگاہ ہے۔

الغرض اسلامی نظام تعلیم اسلامی اقدار و روایات کے نفاذ اور ترویج کی عملی تربیت مہیا کرتا ہے تاکہ مسلمان اپنے اس فرض کی ادائیگی کر سکیں، جس کی نشان دہی یوں کی گئی ہے:۔

ان مکناھم فی الارض اقاموا الصلوٰۃ واٰتوا الزکوٰۃ وامروا بالمعروف ونھوا عن المنکر

اس آیت کریمہ سے معلوم ہوتا ہے کہ ملت اسلامیہ پر خدا کی تعریف سے یہ فرض ہے۔

(۱) نظام عبادات کا قیام۔ (۲) معاشی فلاح و بہبود اور غربت و افلاس کا خاتمہ۔ (۳) دعوت ارشاد و تلقین اور ہر برائی کے خلاف جہاد۔

امام غزالی علیہ الرحمہ نے احیاء علوم الدین میں علوم شرعی محمود، علوم غیر شرعی محمود، محمود شرعی فرض کفایہ، اور محمود غیر شرعی فرض کفایہ کی تقسیم میں فقہ، حدیث، تفسیر، تصوّف وغیرہ کے علاوہ طبیعات، فلکیات، ارضیات، نباتیات اور حیوانیات کو اسلامی نظام تعلیم میں شامل نصاب قرار دیا۔ کیونکہ حقائق عالم اللہ تعالیٰ کی نشانیاں ہیں۔

ریاضی، کیمیا، معاشیات، جغرافیہ، تاریخ، تجارت و صنعت کو فرض کفایہ کے ضمن میں رکھا کیونکہ دین و ملت کی نصرت اور فلاح کے لئے ان کی تدریس ناگزیر ہے۔

کون نہیں جانتا کہ عقائد دینی کو لادینی تحریکوں کے اثرات سے محفوظ رکھنے کے لئے جدید فلسفہ عمرانیات اور منطق کی کتنی اہمیت ہے۔

یہ ان علوم کی فہرست ہے۔ جن کو عموماً غیر اسلامی سمجھا جاتا ہے۔ حالانکہ ہر علم اسلامی ہے۔

Marfat.com

اگر اس کی تحصیل ملت اسلامیہ اور عقائد اسلامیہ کے دفاع کے لئے ہو۔ عسکری تربیت بھی اس ضمن میں آتی ہے قرآن مجید میں آتا ہے ۔

واعدوا لهم ما استطعتم من قوة ومن رباط الخيل ترهبون به عدو الله وعدوكم ۔

اس ساری بحث کا حاصل یہ ہے کہ اسلامی نظام تعلیم میں ہر دور کے تقاضوں کے مطابق ان علوم کی تحصیل ضروری ہے ۔ جو بالواسطہ یا بلاواسطہ انسانی زندگی کو متاثر کر سکتے ہیں تاکہ انسانی زندگی کو بہتر بنانے کے لئے اور اسلامی تصورِ حیات کے تحفظ کے لئے قابلِ فہم حد تک ان سے استفادہ کیا جا سکے ۔

اسلامی نظامِ تعلیم کی خصوصیات کے پیشِ نظر ہم اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ :-

۱ - پانچ سال تک کے بچوں کو قرآن مجید ناظرہ پڑھایا جائے ۔ عقائد توحید و رسالت، نماز اور معاشرت سے متعلق خصوصی ہدایات دی جائیں اور ان کی پابندی کروائی جائے ۔

۲ - میٹرک کے بعد پیشہ ورانہ تعلیم دی ساتھ ہی اس پیشہ سے متعلق اسلامی نظریہ کی وضاحت کی جائے ۔

۳ - پیشہ ورانہ تعلیم سے قبل ہی اسلامی نظریہ تہذیب و ثقافت اور تاریخ اسلامی کی تعلیم لازمی قرار دی جائے ۔

۴ - سائنسی علوم کو اس انداز سے پڑھایا جائے کہ اسلام کا تصورِ کائنات طلبہ کے سامنے ہمیشہ واضح رہے ۔

Marfat.com

شخصی ملکیت اور حق ریاست

آج مسلمان بحیثیت مجموعی جن مسائل سے دوچار ہیں، ان میں سے بیشتر کا تعلق نظام معیشت (ECONOMIC SYSTEM) سے ہے۔ راس مالی (CAPITALISM) اور اشتراکی (SOCIALISM) نظامہائے فکر کے اثر و نفوذ سے اسلامی تصورات و مفاہیم میں اختلال نے فکری اضطراب کو جنم دیا۔ اس ضمن میں اسلام کے نظریۂ ملکیت، اس کے عناصر ترکیبی اور ریاست کے حقِ مداخلت کی حدود و قیود کا موضوع بہت زیادہ اہمیت اختیار کر گیا۔ اس عنوان پر گفتگو کرتے ہوئے ہم پہلے ملکیت کے مفہوم و عناصر ترکیبی کی طرف آپ کی توجہ مبذول کریں گے۔ بعد ازاں ملکیت کی اقسام اور آخر میں ریاست کے حق مداخلت کی حدود اور ان قواعد کا تذکرہ کریں گے جو اس حق کی تائید کرتے ہیں۔

ملکیت اور ملک ایک ہی معنی میں مستعمل ہیں۔ جسے فقہائے اسلام نے شیٔ اور مالک کے مابین اس تعلق سے تعبیر کیا ہے جو مالک کو اس شیٔ مملوک میں تصرف استعمال اور انتفاع کے لئے مختص کر دیتا ہے۔ اور غیر کو اس میں تصرف سے روکتا ہے۔ الّا یہ کہ وہ خود کسی کو اجازت دے یا اپنا وکیل و نائب بنائے دوسرے لفظوں میں ملکیت ایک شرعی حکم ہے یا کسی معین شے یا اس کے منافع پر قدرت حاصل کر لینا ہے۔ اس طرح کہ خود یا نائب کے ذریعے عین سے نفع اٹھا سکتا ہے اور عین یا منفعت کا معاوضہ لے سکتا ہے۔ اس لحاظ سے ملکیت کے دو لازمی عنصر ہیں۔ اوّل: آزادی تصرف، دوم: آزادی انتفاع۔ موخر الذکر کی دو صورتیں ہیں۔ ۱۔ استعمال ۲۔ استغلال۔

Marfat.com

تصرّف سے مراد وہ مادی افعال ہیں، جن کا اثر شئی مملوک پر کبھی اس کی تبدیلی شکل پر ہوتا ہے۔ اور کبھی اس کا وجود ہی ختم کر دیا جاتا ہے۔ اور کبھی دوسرے کی طرف منتقل کر دیا جاتا ہے۔ مثلاً لکڑی، اس سے دروازے بنالینا، کپڑے سے قمیص سلوانا۔ یا رہن اور بیع کے ذریعے شئی مملوک کو منتقل کر دینا اور اور خود حق ملکیت سے دستبردار ہو جانا۔

حق استعمال کے معنی ہیں مملوک شئی کو باقی رکھتے ہوئے اس سے منافع کا حصول مثلاً، جانور سواری کے لئے مکان رہائش کے لئے، زمین زراعت کے لئے۔

حق استغلال سے مراد شئی مملوک سے محنت وعمل کے ذریعے حاصل ہونے والے منافع اور نتائج کو بالعوض دینا۔ مثلاً زمین کے درخت، اجرت وغیرہ۔

ملکیّت دو انواع ہیں۔ ۱۔ ملکیّت عامہ، ۲۔ ملکیّت خاصہ (شخصی ملکیّت)

موخر الذکر میں حقِ تصرّف کسی خاص فرد کو حاصل ہوتا ہے۔ اور وہ شئی مملوک میں تصرّف اور نفع اٹھانے میں مختار ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ملکیّت کے جملہ عناصر ترکیبی (تصرّف وانتفاع) میں ایک شخص شئے مملوک پر قادر ہوتا ہے۔ اور اپنی اصل کے اعتبار سے وہ بغیر کسی روک ٹوک کے اپنی مشیئت اور ارادے سے جیسے چاہے، اسے استعمال میں لاسکتا ہے، نفع اٹھا سکتا ہے، فنا کر سکتا ہے۔ اور دوسرے کو بالعوض یا بغیر عوض منتقل کر سکتا ہے۔

ملکیّت عامہ اس کے برعکس ہے۔ کیونکہ اپنی وضع اور اصل کے لحاظ سے اس کا محل مجموع افراد امت کا حق ہے۔ لہذا اُمت کی مجموعی کفالت اور حاجت کے پیش نظر اس سے (شئی مملوک) کو تصرف استعمال میں لایا جاسکتا ہے۔ بغیر اس کے کسی فرد سے لازمی مختص کیا جائے۔ لہذا اس میں کسی شخص کو اختیار نہیں ہوتا کہ اپنی مرضی اور منشاء سے اسے تصرف میں لاتے۔ بلکہ اس شئے پر مکمل حق ریاست کا ہوتا ہے بایں معنیٰ کہ کسی فرد کے لئے اس میں تصرّف کی اجازت نہیں جب تک کہ قوانین ریاست اس کی اجازت نہ دیں۔

اس سیاق میں "مداخلت" سے مراد تصرّف، انتفاع، استعمال و استغلال پر پابندیاں عائد کرنے کا اختیار ہے۔ ۱۔ منفی، ۲۔ مثبت۔

Marfat.com

اول الذکر نوعیت کی پابندیاں دائرہ اختیار کو محدود کرتی ہیں۔ اور مؤخر الذکر کی قیود بعض وجوہ میں اس حق کے استعمال پر جبراً پابندی کرائی جاتی ہے۔ مثلاً حکومت کسی سرمایہ دار کو مجبور کرتی ہے کہ وہ اپنے سرمایہ سے ٹیکسٹائل انڈسٹری لگائے۔ اگرچہ ملکیت خاصہ کے تصور کے مطابق اسے حق حاصل ہے کہ وہ سرمایہ کاری کے لئے کوئی بھی میدان اپنے لئے منتخب کرے۔ گویا اس مثال میں حکومت کا کسی خاص میدان میں سرمایہ کاری پر مجبور کرنا مثبت پابندی ہے۔ اس میں حق تصرف جو ملکیت خاصہ سے پیدا ہوتا ہے، وہ سلب نہیں ہوتا۔ ہاں پہلی قسم میں جہاں بعض وجوہ میں حق تصرف و انتفاع کے استعمال سے روک لیا جاتا ہے۔ اس میں حق ملکیت سلب ہو جاتا ہے۔

اس اجمالی تعارف کے بعد ہم اصل موضوع کی طرف آتے ہیں اور اسلام کے نظریۂ ملکیت کے اجزائے ترکیبی کا جائزہ لیتے ہیں۔ نصوص شرعیہ کے مطالعہ سے یہ حقیقت بے غبار ہو جاتی ہے کہ اسلام کا نظریۂ ملکیت اس سے اپنی طبع کے لحاظ سے بالکل مختلف ہے جو ہمیں کیپٹلزم (CAPITALISM) اور سوشلزم (SOCIALISM) میں ملتا ہے۔ لیکن سرمایہ دارانہ نظام میں اصل ملکیت، ملکیت خاصہ ہے۔ جس کے معنی ہیں کہ ہر شخص کو بلا قیود و حدود شیٔ مملوک میں تصرف، انفاق اور استعمال کی پوری آزادی ہے۔ اس تصور کا منطقی نتیجہ یہ ہے کہ ہر شخص جس کا وہ مالک ہے، تجارت و صنعت میں اور دیگر معاملات بیع و شراء، ہبہ و رہن وغیرہ میں جیسا تصرف چاہے کر سکتا ہے، اور اپنی مرضی سے جو چیز جس مقدار میں چاہے پیداوار حاصل کرنے کا مجاز ہے۔ دوسرے لفظوں میں سرمایہ دارانہ نظامِ اقتصاد میں آمد و خرچ کی جملہ مدات میں انسان کو کھلا چھوڑ دیا جاتا ہے۔ ہاں اس دور میں اگر سرمایہ دارانہ نظام کی حامی حکومتیں اگر اپنے شہریوں کے کسب اور انفاق پر پابندی عائد کرتی ہیں تو وہ خلافِ اصل ہے۔ لہٰذا ان پابندیوں کو محض استثنائی صورتیں شمار کرنا چاہیئے۔

اشتراکی نظریۂ ملکیت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس لحاظ سے کہ اس کی اساس ملکیت عامہ ہے، جس کی نمائندگی ریاست کرتی ہے۔ جملہ وسائلِ آمدن پر اسی کا تسلط ہوتا ہے۔ اور تمام تر تصرفات، آلاتِ پیداوار، مختلف منصوبوں (PROJECTS) کی واحد مالک ریاست ہے۔ کیونکہ اصل محلِ ملکیت جماعت و ریاست ہے

Marfat.com

کا حق ہے۔ لیکن فرد کا وجود جماعت سے علیحدہ ممکن نہیں۔ وہ بحیثیت ایک عضو جماعت کے اشتراک کی بنیاد پر حق ملکیت سے مستفید ہو سکتا ہے۔ لہذا اس حد تک اس کا حق صرف اس صورت میں قابل استعمال ہو سکتا ہے جب کہ جماعت اس کی اجازت دیتی ہے اور اس کے حق کو تسلیم کرتی ہے۔ اور یہ اس لئے بھی ہے کہ زمین اور سرمایہ اصلاً ریاست کا حق ہے۔ یہ مجموعی طور پر تمام افراد کے مصالح کے تحفظ کے لئے ہے اور ریاست افراد کو عمل کے مطابق انہیں اجرت ادا کرتی ہے۔ گویا یہ اجرتیں افراد کے اعمال (LABOUR) کا معاوضہ ہیں۔ اس نظریہ سے شخصی ملکیت کے تصور کی مکمل نفی ہو جاتی ہے۔ اور افراد پر اشیاء صرف کی تقسیم صرف اور صرف ریاست کی مرضی پر ہے۔ ریاست ہی جماعت کی مجموعی حاجات کی نسبت سے قوتِ پیداوار کے اضافہ کے لئے طریقہ کار کا تعین کرتی ہے۔ لیکن اس کے باوجود اگر فی زمانہ اشتراکی ریاستیں بعض شخصی حقوق کا اعتراف کرتی ہیں تو وہ اصل کے خلاف ایک استثنائی صورت ہے۔

اسلام اس لحاظ سے دونوں مذکورہ نظامہائے فکر سے مختلف ہے۔ جہاں اسلام نے شخصی ملکیت کو تسلیم کیا ہے وہاں جماعتی ملکیت کا تصور بھی موجود ہے۔ بعض نصوص قرآنیہ اور احادیث میں مال کی نسبت افراد کی طرف کی اور فرمایا۔

" وَتَأْكُلُونَ التُّرَاثَ أَكْلًا لَّمًّا وَتُحِبُّونَ الْمَالَ حُبًّا جَمًّا۔ "

" وَلَا تُؤْتُوا السُّفَهَاءَ أَمْوَالَكُمُ الَّتِي جَعَلَ اللَّهُ لَكُمْ قِيَامًا۔

اموال کی حفاظت پر زور دیتے ہوئے اللہ کے رسول نے فرمایا۔

ان دماءکم و اموالکم و اعراضکم علیکم حرام کحرمۃ یومکم هذا فی شهرکم هذا فی بلدکم هذا۔

کل المسلم علی المسلم حرام عرضه وماله ودمه۔

مال کی حرمت پر نص قرآنی ہے۔

وَلا تاکلوا اموالکم بینکم بالباطل وتدلوا بها الی الحکام لتاکلوا فریقا من اموال الناس بالاثم وانتم تعلمون

Marfat.com

اور مال کے بچاؤ کے لئے سرقہ کو جرم قابل سزا قرار دیا۔

السارق والسارقۃ فاقطعوا ایدیھما جزآءً بما کسبا نکالا من اللہ

واللہ عزیز حکیم۔

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حق اموال پر ہر قسم کی تعدی اور ظلم کو مذموم اور موجب عذاب کہا۔

"من ظلم قید شبرا من الارض طوق من سبع ارضین"

"من اقتطع حق امرئ مسلم بیمینہ فقد اوجد اللہ لہ النار و

حرم علیہ الجنۃ"

یہ اور اس معنی میں بہت سی آیات و احادیث وارد ہیں جن سے اسلام میں شخصی ملکیت کے ثبوت حق پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ دوسری طرف بہت سے ایسے ادارے ہیں جن سے پتہ چلتا ہے کہ اسلام نے ملکیت عامہ (قومی ملکیت) کا اعتراف کیا ہے۔ مثلاً مسجدیں، اوقاف، اراضی حمیٰ، اموال فییٔ، سواد عراق کی زمین۔ اور بعض اشیاء کی ملکیت میں جملہ انسانوں کا اشتراک ہے۔ جیسے رسول اللہ نے فرمایا۔

الناس شرکاء فی ثلاث فی الماء، والکلاء والنار۔

آیت "وخلق لکم ما فی الارض جمیعا" سے یہ استدلال کیا جاتا ہے کہ زمین اور اس کے باطن میں جو کچھ ہے، جملہ انسانیت کے انتفاع کا محل ہے۔ اس لئے کہ زمین اور جو کچھ اس کے اندر ہے، اس کی اضافت تمام افراد بشریت کی طرف ہے۔ یہی تصور "نظریہ استخلاف کی بنیاد بنتا ہے، بایں معنی کہ اللہ سبحانہ وتعالیٰ مالک حقیقی ہے۔ جس کی دلیل اللہ کا کلام ہے۔

واتوھم من مال اللہ الذی اتاکم۔

وانفقوا مما جعلکم مستخلفین فیہ۔

بظاہر ان نصوص سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ اسلام ہر دو نوع ملکیت کو تسلیم کرتا ہے۔ گو ہر نوع کی حدود متعین ہیں۔ علماء اسلام اس مسئلہ میں "نظریہ استخلاف" اور "ملکیت مزدوجہ" (دوہری ملکیت) کے قائل ہیں۔

Marfat.com

عہد رسالت میں اور اس کے بعد عہد صحابہ میں اموال کی اس لحاظ سے تین انواع تھیں۔

۱۔ وہ اموال جو خالصتہً ریاست کی ملکیت میں ہیں اور ان میں فرد کا کوئی تعلق نہیں۔

۲۔ وہ اموال جو خالصتہً شخصی ملکیت میں ہیں اور ریاست کا اس میں حق نہیں۔

۳۔ وہ اموال جو ابتداءً ریاست کی ملکیت میں ہیں لیکن انتہاءً قبضہ یا کسی اور وجہ مشروع سے شخصی ملکیت میں بدل جاتے ہیں۔

حضرت امام شافعی نے "کتاب الاُم" میں ان اقسام کا تذکرہ کیا ہے۔

"نظریۂ استخلاف" کا مقتضیٰ یہ ہے کہ عمومی حیثیت سے مال کی حقیقی نسبت اللہ سبحانہ وتعالیٰ کی طرف ہے اور مجازاً مجموع افراد کی طرف۔ بایں معنیٰ کہ تمام افراد خلیفہ کی حیثیت سے وظیفہ ملکیت ادا کرتے ہیں۔ باقی رہا اموال کا بعض افراد کے ساتھ اختصاص، تو وہ نزاع اور ممکن اختلافات سے بچنے کے لئے ہے۔ ورنہ اموال میں تصرف کی تمام تر انواع کا مقصود اجتماعی مصالح کی رعایت ملک اور دینی اقدار کا تحفظ ہے۔ اس لحاظ سے فرد کا کوئی ایسا حق ملک نہیں ہے جس میں اجتماعی حق کا کسی نہ کسی شکل دخل نہ ہو۔ اس پس منظر میں شخصی ملکیت میں مداخلت کا حق ریاست کو حاصل ہے۔ یہاں تک بعض علماء کا خیال ہے کہ حاجاتِ اصلیہ کے بعد بچ جانے والا مال، اگرچہ وہ جائز طریقے سے کمایا گیا ہو، اس میں بھی امت کا حق ہے اور حکومت نائب کی حیثیت سے اس میں مداخلت کر سکتی ہے۔ اس حق مداخلت کے یہ معنیٰ نہیں کہ حکومت اس بہانے لوٹ کھسوٹ اور ظلم کو روا رکھے۔ بلکہ اس حق کے استعمال کی قیود و حدود ہیں۔

اب ان فقہی قواعد اور مبادی کا جائزہ لیتے ہیں، جو ریاست کے حقِ مداخلت کی تائید، حکمت مقاصد اور حدود کا تعین کرتے ہیں۔

۱۔ ضرر کو بقدر امکان دور کیا جائے۔

۲۔ ضرر شدید کو ضرر خفیف سے دور کیا جاتا ہے۔

۳۔ ضرر عام کو دفع کرنے کے لئے ضرر خاص کو برداشت کیا جا سکتا ہے۔

۴۔ مفاسد کو روکنا مصالح کے حصول پر مقدم ہے۔

Marfat.com

۵۔ ہر عمل مباح جس سے دوسرے فرد یا مجموعی معاشرہ کو ضرر پہنچتا ہے، ممنوع ہے۔

اسلام کے نظم معیشت کی بنیاد ہے ایسی ریاست کا قیام جو انسان کی مجموعی فلاح اور مصالح عامہ کی ذمہ داری قبول کرے۔ جنہیں اصطلاح میں مقاصد شریعہ کہا جاتا ہے۔ یعنی پانچ چیزوں کا تحفظ، دین نفس، عزت، عقل اور مال۔ ہر وہ عمل جس سے ان پانچ میں کسی پر زد پڑتی ہے وہ وجہ فساد ہے اور اس کا دفع کرنا مصلحت ہے۔

اسی ضمن میں یہ ضابطہ بھی پیشِ نظر رہے کہ جملہ حاجات اور اجتماعی ضروریات کی تکمیل اور بہم رسانی کے لئے ہر شعبہ، مثلاً تجارت، صنعت کے لئے، ہر ٹیکنولوجی، تدریس، دفاع وغیرہ کے لئے مہارت اور کام فرض کفایہ ہے تاکہ امت مجموعی طور پر بنیادی ضروریات کے سلسلہ میں کسی کی محتاج نہ ہو۔

دوسرا اہم اصول متوازن نظام اقتصاد اور اجتماعی عدل کا قیام ہے۔ جسے قرآن مجید نے:۔

"کی لا یکون دولۃ بین الاغنیاء منکم"

سے تعبیر کیا ہے۔ اور نزول قرآن کی حکمت بیان فرمائی گئی۔

• وانزل معھم الکتاب والمیزان لیقوم الناس بالقسط۔

تیسرا اصول جو نظامِ زکوٰۃ اور اس کے مصارف سے واضح ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ فرضیت زکوٰۃ کا ہدف اجتماعی کفالت ہے۔ یعنی کہ اس سے مقصود ایسا نظام ہے، جس میں کوئی شہری ایسا نہ رہے جو بنیادی ضروریات (کھانا، لباس، مکان) سے محروم ہو۔

مذکورہ بالا قواعد اور مقاصد شریعہ کے تناظر میں جب یہ طے ہے کہ اصل ملکیت اللہ رب العزت کی ہے تو انسان محض ایک امین متصرف کی حیثیت رکھتا ہے اور تصرف میں اس حد تک کہ شرع اُسے اجازت دیتی ہے۔ لہٰذا غیر مشروع ذرائع سے حصول مال پر حق ملکیت ثابت نہیں ہوتا ہے۔ دوسرے لفظوں میں ملکیت ایک حق ہے، جس کا ثبوت اثباتِ شرع پر ہے۔ اور اس سے قبل جملہ اشیاء ملکیت عامہ میں ہیں۔ حصول ملکیت کے مشروع وسائل میں وراثت، وصیت، ہبہ، حیازہ (POSSESSION) یعنی غیر مملوکہ فردیہ کو آباد کرنا یا قبضہ میں لینا ہیں۔ اس نقطہ نگاہ سے زمین پر شخصی حق ملکیت صرف اس کی سطح

Marfat.com

تک ہے جس میں عادۃً زراعت و تعمیر کا کام ہو سکتا ہے۔ زمین کی تہہ میں جملہ سوائل اور معدنیات کا حکم پانی کا حکم ہے۔ یعنی اس میں شخصی حق ملکیت محض اس وجہ سے نہیں کہ فرد اس سطح زمین کا مالک ہے۔ گویا زمین کی تہوں میں پنہاں خزانہ جماعت ریاست کی ملکیت ہے۔ رکاز اور اس کے احکام سے اس نظریہ کی تائید ہوتی ہے۔ اس کے علاوہ ریاست کی ملکیت کا محل اموال فئ۔ ارض موات، جنگلات، نہریں، اموال متروکہ وغیرہ ہیں۔

جیسے پہلے ذکر کیا گیا ہے کہ شخصی املاک کے اندر بھی ریاست کا حق کسی نہ کسی شکل میں باقی رہتا ہے خواہ وہ مال مشروع طریقے سے حاصل کیا گیا ہے اور اس میں سے واجبات (زکوٰۃ و عشر وغیرہ) کی ادائیگی کر دی گئی ہو۔ "وفی اموالھم حق للسائل والمحروم"۔ اسی اصل پر امت کی مجموعی کفالت اور دفاع کیلئے زکوٰۃ کے علاوہ بھی ٹیکس لگائے جا سکتے ہیں۔

مذکورہ قواعد و ضوابط اور کلیات کی روشنی میں ریاست کو شخصی ملکیت میں جو حق مداخلت حاصل ہے، اس کی مختلف شکلیں ہیں جن میں سے بعض کو یہاں ذکر کیا جاتا ہے۔

حاکم وقت کو یہ حق حاصل ہے کہ دشمن کے حملہ کے وقت اور آفات سماوی سے واقع خطرات کے مقابلہ کے لئے متمول افراد پر مالی ذمہ داریاں عائد کرے۔

ایسا اقتصادی ڈھانچہ وضع کیا جائے، جس سے دولت چند ہاتھوں میں سمٹ کر نہ رہ جائے، کیونکہ ارتکاز دولت کئی سماجی اور معاشی مفاسد کو جنم دیتا ہے۔ اس لحاظ سے یہ ایک مفسدہ ہے اور اسے دور کرنے میں مصلحت ہے۔

وہ افراد جو دولت کو بے جا صرف کرتے ہیں اور بیع و شراء کا شعور نہیں رکھتے ان پر پابندی لگائی جائے۔ لیکن تصرف کا حق رشد اور عقل و شعور کے ساتھ مقیّد ہے۔

اُمراء کو اپنے غریب رشتہ داروں کی کفالت پر مجبور کیا جاتے۔ کیونکہ ان سے مال لینا یہ کم نقصان ہے ان غرباء کے بھوک و افلاس سے مرجانے کے مقابلہ میں۔ اس لئے ایسی حالت میں ضرر خفیف کو اس عظیم نقصان کے مقابلہ میں برداشت کیا جا سکتا ہے۔

ذخیرہ اندوزی کرنے والوں کے مال پر پابندی اور غیر منصفانہ قیمتوں پر پابندی اس قاعدہ کے تحت

Marfat.com

جائز ہے کہ ذخیرہ اندوزی اور بلیک مارکیٹنگ قیمتوں میں اضافے موجب فساد و اختلال ہیں اور فساد کا روکنا مقصودِ شرع ہے ۔

اگر کوئی شخص ایسے کاروبار کا آغاز کرتا ہے جس سے اس کے پڑوسیوں کو نقصان ہوتا ہے تو اس جگہ ایسے کاروبار پر پابندی لگائی جا سکتی ہے ۔ مثلاً رہائشی مکانات کے ساتھ کوئی شخص بھٹی یا ایسا کارخانہ لگاتا ہے جس کی بو اور کیمیکل اور فاضل مواد سے آس پاس کے لوگوں کو ایذاء رسانی کا خطرہ ہو سکتا ہے ۔ اسی لئے کہ اپنے حق ملکیت کا استعمال ایسی صورت میں جائز نہیں، جس سے دوسرے کو ایذاء پہنچے ۔

جو شخص اپنے املاک کو معطل کر دیتا ہے بایں معنیٰ کہ اسے مزید پیداوار کے لئے نہیں لگاتا ۔ مثلاً زمین آباد نہیں کرتا تو حکومت کو حق حاصل ہے کہ وہ اراضی اس سے چھین لے اور اس کی آباد کاری کا اہتمام کرے ۔ یہ اس لئے ہے کہ اس کا تعطل مجموع امت کو فقر کے گڑھے میں دھکیل دیتا ہے ۔ اس لئے یہ ایک وجہ فساد ہے ۔ لہٰذا اس کو حقِ ملکیت سے محروم کر دینا مصلحت ہے ۔ حضور رسولِ کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ " لیس حق بعد ثلاث سنین" ۔ یوں شریعت اسلامیہ مالک کو سرمایہ کاری پر مجبور کر سکتی ہے ۔ کیونکہ اصل مال تو اللہ سبحانہ وتعالیٰ کا ہے اور اس مال کا وجود مجموع اُمت کی ضروریات پورا کرتا ہے ۔ وہ ایک امین کی حیثیت رکھتا ہے ۔

اگر اصحابِ اموال سرمایہ کاری کے لئے جدید وسائل اور ذرائع استعمال نہیں کرتے تو حکومت کو حق حاصل ہے کہ وہ انہیں زراعت و صنعت میں جدید اور مفید مشینری کے استعمال پر مجبور کرے ، کیونکہ اجتماعی کفالت جو واجب ہے، اس کے بغیر متحقق نہیں ہو سکتی ہے اور جب واجب اس کے بغیر ممکن نہیں تو جدید مشینری کا استعمال بھی واجب قرار دیا ۔ اور واجب کی ادائیگی پر حکومت افراد کو پابند بنانے کا حق رکھتی ہے ۔

اگر لوگ کسی خاص ٹیکنولوجی یا پیشہ ورانہ مہارت اور انڈسٹری لگانے سے رُک جائیں حالانکہ وہ فرض کفایہ میں سے ہے ، تو حکومت کو حق حاصل ہے کہ اصحابِ اموال کو اس خاص میدان میں

Marfat.com

سرمایہ کاری پر مجبور کرے۔

اسی طرح غیر معیاری مصنوعات، ملاوٹ اور فراڈ کی صورت میں ضبطی کے احکام نافذ کئے جا سکتے ہیں۔

غرضیکہ ریاست کا حق شخصی ملکیت کے تینوں عناصر یعنی استعمال، تصرف اور انتفاع سے وابستہ ہے اور مقاصد شرعیہ کی نسبت سے ان میں حق مداخلت حاصل ہے ؛

Marfat.com

اسلامی نظامِ حکومت
اور
خلفاءِ راشدین
(ابوبکرؓ و عمرؓ)

آج انسانیت جن مسائل سے دوچار ہے اور عصرِ حاضر کا انسان جس شئے کا متلاشی ہے۔ وہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کے لائے ہوئے پیغام کے علاوہ اور کہیں نہیں مل سکتی۔ اخلاق و معاشرت، قانون و عدالت، مساوات، مروّت اور سیاست و حکومت کی اصلاح اور وحدت انسانیت کے لئے جو محکم ترین اساس رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اور آپکے خلفاء نے عملی طور پر مہیا فرمائی، وہ رہتی دُنیا تک کے لئے قابلِ تقلید نمونہ ہیں۔

ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اور نظامِ حکومت

حضرت ابوبکر الصدیق رضی اللہ عنہ نے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی پیروی سُنّت کو ہر حال میں مقدم رکھا۔ بھُولے سے بھی وہ کام نہ کرتے جسے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ناپسند کرتے تھے۔ اور ہر اس کام کے کرنے میں سعادت سمجھتے جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے کیا تھا۔

ولیم میور حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی شان میں رطب اللسان ہے۔

"حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے قلب و ذہن میں شخصی شان و شوکت کا خیال تک نہ تھا۔ حالانکہ وہ شاہانہ اختیارات کے مالک تھے۔"

انہوں نے اپنی ساری طاقت صرف اسلام کی خدمت اور اس کی ترقی و برتری میں صرف کی تاکہ

Marfat.com

ملت اسلامیہ کا فائدہ ہو۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کی کامیابی کا سب سے بڑا راز حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم پر کامل ایمان وایقان تھا۔ آپ نے عوام سے ہمیشہ کہا۔

"مجھے اللہ کا خلیفہ کہہ کر نہ پکارو، میں رسول اللہ کا خلیفہ ہوں۔"

حضور رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے فرمان کی بجا آوری کے لئے ہر قسم کی قربانی دینے کے لئے مستعد رہتے۔ جب آپ سریرآرائے خلافت ہوئے تو مشکلات کا ایک طوفان تھا۔ جو اس نوزائیدہ اسلامی ریاست کو نیست ونابود کرنے پر تلا ہوا تھا۔ مزید برآں فتنۂ ارتداد، منکرین زکوٰۃ کی شورشیں اور مدعیان نبوت کی سازشیں، ایک سے ایک بڑھ کر خطرہ تھا لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے جس دانشمندی، جرأت اور استقلال سے ان کو فرو کیا، اس کی نظیر تاریخ میں نہیں ملتی۔

حقیقت یہ ہے کہ حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کی شخصیت کا یہ حسن اور یہ نکھار، یہ جرأت اور یہ دانشمندی عشق رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم کا نتیجہ ہیں۔ نگاہ رسالت مآب صلی اللہ علیہ وسلم میں یار غار حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کی اہمیت کا اندازہ اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے اس قول سے ہوتا ہے۔

"مجھ پر ابوبکر سے بڑھ کر کسی کے احسان نہیں۔ میں نے ہر ایک کا بدلہ چکا دیا ہے لیکن ابوبکر کا معاملہ خدا کے سپرد کرتا ہوں۔"

شاعر اسلام علامہ اقبال، حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا یوں تعارف کرواتے ہیں۔

آن امنّ النّاس بر مولائے ما　　آں کلیم اوّل سینائے ما
همتِ او کشتِ ملت را چوں ابر　　ثانیٔ اسلام، غار و قبر و بدر

آپ کی زندگی کا اہم ترین پہلو حضور سرور کائنات سے وابستگی اور جذبہ قربانی ہے۔ عنانِ خلافت سنبھالتے ہی پہلا مسئلہ جو سامنے آیا وہ حضرت اسامہ کی لشکر کشی تھی، جسے حضور سید عالم صلی اللہ علیہ وسلم نے خود تیار کیا تھا۔ اس موقع پر کبار صحابہ علیہم الرضوان بھی گھبرا اٹھے۔ لیکن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے اپنے عزم عالی کا اظہار کرتے ہوئے فرمایا۔

Marfat.com

"قسم ہے اس ذات کی جس کے قبضۂ قدرت میں میری جان ہے۔ اگر مجھ کو یہ بھی گمان ہوتا کہ درندے مجھے اُٹھالے جائیں گے۔ تو بھی بتعمیلِ رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اسامہؓ کا لشکر ضرور بھیجتا۔ اگر بستیوں میں سوائے میرے ایک متنفس بھی باقی نہ رہتا تو بھی روانگی کا حکم یقیناً دیتا۔

منکرین زکوٰۃ کے ساتھ قتال کے بارے میں بڑے بڑے صحابہ کرام متردد تھے۔ لیکن حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ اسلام کے اس عظیم ترین رکن کے تحفظ کے لئے منکرین زکوٰۃ سے نبرد آزما ہونے کیلئے اپنے موقف پر ڈٹ گئے۔ بالآخر تمام صحابہ کرام نے اس فیصلہ پر صاد کیا۔ اور خلیفۃ الرسول کی دانشمندی اور دُوراندیشی کو سراہا۔

آپ نے جو پہلا خُطبہ ارشاد فرمایا، وہ اسلامی ریاست، خلیفہ کے اختیارات و فرائض اور رعایا کی شہری آزادیوں کا واضح چارٹر ہے۔ یہ محض الفاظ نہیں تھے۔ بلکہ حضرت صدیقِ اکبر رضی اللہ عنہ نے ان پر صحیح صحیح عمل کرکے دکھایا۔ فرمایا:۔

"بعد حمدِ الٰہی، اے لوگو! واللہ۔ مجھے ہرگز امیر بننے کی حرص نہ کبھی دن کو تھی نہ رات میں۔ اور نہ میرا میلان اس کی جانب تھا۔ اور اپنے اللہ سے پوشیدہ یا ظاہر اس کے لئے نہ تمنا کی۔ البتہ مجھ کو یہ خوف ہوا کہ کوئی فتنہ نہ اُٹھ کھڑا ہو۔ مجھے حکومت میں راحت بالکل نہیں۔ بلکہ مجھے ایک ایسے امرِ عظیم کی تکلیف دی گئی ہے جس کے برداشت کی مجھے طاقت نہیں۔ اور نہ وہ بغیر اللہ عزّ وجلّ کی مدد کے قابو میں آسکتا ہے۔ میری ضرور یہ آرزو تھی کہ آج میری جگہ سب سے زیادہ قوی آدمی ہوتا۔

بے شک میں تمہارا امیر بنایا گیا۔ اور میں تم سے بہتر نہیں ہوں۔ اگر میں راہِ راست پر چلوں تو مدد دو۔ اور اگر بے راہ چلوں تو مجھے سیدھا کرو۔ صدق امانت ہے۔ اور کذب خیانت، جو تم میں کمزور ہے، میرے لئے قوی ہے۔ انشاء اللہ اس کا حق دلواؤں گا۔ اور تم میں جو قوی ہے، وہ میرے نزدیک کمزور ہے۔ اس سے انشاء اللہ حق لے کر چھوڑوں گا۔

Marfat.com

جو قوم راہِ حق میں جہاد چھوڑ دیتی ہے، وہ ذلیل کردی جاتی ہے۔ اور جس قوم میں بے حیائی کا رواج ہو جاتا ہے، اس پر عام طور پر عذاب الٰہی نازل ہوتا ہے۔

جب تک میں اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی اطاعت کروں، میری اطاعت کرو۔ اور میں جب خدا اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کی نافرمانی کروں، تو تم پر میری اطاعت لازم نہیں۔"

یہ ایک حقیقتِ واقعیہ ہے کہ معاشرہ کے امن و امان، معاشرتی انصاف اور عدالت اجتماعی کا سرچشمہ برسرِ اقتدار طبقہ کا کردار ہوتا ہے۔ جب وہ ایسے حقوق اور مراعات اپنے لئے مخصوص کر لیتا ہے، جو دوسرں کو حاصل نہیں ہوتے، اپنے لئے الگ قانون وضع کرتا ہے۔ اور غریب رعایا کے لئے کچھ اور۔ پھر دوسرں سے فائق اور برتر ہونے کا خیال پیدا ہو جاتا ہے۔ تو وہ خود کو تنقید سے بالاتر سمجھتے ہیں۔ ایسے حالات میں ان کے فیصلے عموماً غلط ہوتے ہیں۔ اور یوں پوری سوسائٹی ان حضرات کی لپیٹ میں آجاتی ہے۔ حضرت صدّیق اکبر رضی اللہ عنہ کا یہ خطبہ محمد عربی صلی اللہ علیہ وسلم کی تعلیمات پر مبنی دینی ریاست کے خدوخال کی بھرپور وضاحت کرتا ہے۔ آپ کے اسی حکیمانہ طرزِ عمل اور دانشمندانہ پالیسی نے سیاسی وحدت کو استحکام بخشا۔ ہر شخص یہ سمجھ کر کہ اسے ملک و حکومت میں مساوی حقوق حاصل ہیں، بدل و جان حکومت کی اطاعت پر مشغول ہو گیا۔ اور یہ حقیقت ہے کہ جب امراء و خلفاء کے دروازے ہر شخص کے لئے کھلے ہوں۔ شکایت اور تنقید کا حق حاصل ہو تو انتشار کا روگ پیدا نہیں ہو سکتا۔

حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نے واضح طور پر اعلان فرمایا کہ وہ اللہ تعالیٰ کی مقررہ حدود میں رہتے ہوئے مسلمانوں کی قیادت اور امور سلطنت کی انجام دہی میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانشین ہیں۔

آپ نے کبھی اپنے آپ کو ان قوانین سے مستثنیٰ نہ سمجھا، جو عام لوگوں پر لاگو تھے۔ ان کے نزدیک نظامِ مصطفوی کا نفاذ ایک امانت تھی۔ اور فرمایا کرتے۔

"جس شخص کے سپرد قوم کی امانت کی جائے، اور وہ اس میں خیانت کر کے اس کا کچھ حصہ

Marfat.com

ذاتی مصرف میں لے آئے، وہ کسی اور پر نہیں، بلکہ خود اپنے نفس پر ظلم کرتا ہے۔ اور قیامت کے دن اسے اِس خیانت کی دردناک سزا ملے گی۔"

خود حضرت صدیق اکبر رضی اللہ عنہ کا حال یہ تھا کہ آخری وقت اپنے رشتہ داروں کو بلا کر ہدایت کی۔

"میں نے دورانِ خلافت بیت المال سے جو رقم لی تھی، اسے واپس کر دیا جائے۔ اور اس غرض سے میری فلاں زمین بیچ کر اس سے حاصل شدہ رقم بیت المال میں جمع کروا دی جائے"

تعمیلِ وصیت پر وہ رقم بیت المال میں جمع کرائی گئی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے فرمایا۔

"اللہ ابوبکر پر رحم فرمائے۔ وہ چاہتے تھے کہ ان کی وفات کے بعد کسی بھی شخص کو ان پر اعتراض کرنے کا کوئی موقع ہاتھ نہ آئے۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ اور نظامِ حکومت

اسلام کی انقلابی دعوتِ فکر نے جہاں انسانی رویوں اور طرزِ عمل کو ایک نیا رُخ بخشا، وہاں اجتماعی فلاح و بہبود کے لئے اور بنی نوعِ انسان کے وسیع تر مفادات کے لئے ایک عالمگیر فلاحی ریاست کا تصور پیش کیا۔ تدبیرِ مُدُن اور سیاست کے وہ راہنما اصول متعیّن کئے، جن کی افادیّت ہر دور میں مسلّم رہی ہے۔ موجودہ دَور کا انسان کس قدر پریشاں فکر ہے۔ اس کا اندازہ ہر وہ چشم بصیرت بآسانی کر سکتی ہے، جو احوال واقعی کے آئینہ میں عالمِ امکان کا جائزہ لے رہی ہے۔ دنیا کے کونے کونے سے جمہوریّت کی بحالی اور مساوات کی صدائے احتجاج اس حقیقت کی بلا تردید غمّازی کرتی ہے کہ من حیث الکل پوری دنیا ظلم و استبداد کے آہنی شکنجوں میں جکڑی ہوئی ہے۔ ایسا ہونا بھی غیر متوقع نہیں۔ کیونکہ خانہ ساز شریعت ظالم کو چیرہ دستیوں کا قانونی جواز مہیا کرتی ہے۔ اس کی صدائے بازگشت کم و بیش ہر ملک سے آ رہی ہے۔

یہ فخر صرف اور صرف اسلام کو حاصل ہے کہ اس نے حضرت عمرؓ ایسے فرزند پیدا کئے، جنہوں نے عدل و انصاف بلا تمیز رنگ و نسل، قانونی مساوات، آزادیٔ رائے اور جمہوری اقدار کے فروغ میں ایسا نمونہ پیش کیا جو تا ابد انسانی حقوق کے تحفظ کے لئے کوشاں ہر تحریک کے لئے مینارۂ نور کی حیثیت رکھتا ہے۔

Marfat.com

حضرت عمر رضی اللہ عنہ ہر معاملہ میں خود کو بارگاہِ ایزدی میں جوابدہ سمجھتے تھے۔ خوفِ خدا کا یہ عالم ہوا کرتا تھا کہ کثرتِ گریہ سے آنکھوں پر سیاہ حلقے پڑ گئے۔ یوں جب بار خلافت بھی کندھوں پر آ گیا تو اس گریہ میں اور بھی اضافہ ہو گیا۔ جب بھی خلافت کی گرانبار ذمہ داریوں اور یوم مکافاتِ عمل کا احساس ہوتا تو فرماتے،

"اے عمر بن الخطّاب! امیر المومنین، خدا سے ڈرو۔ ورنہ وہ تجھے عذاب میں مبتلا کر دے گا۔"

ایک مرتبہ حضرت عبد اللہ رضی اللہ عنہ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ کو دیکھا کہ ایک تنکا اٹھا رہے ہیں اور کہے جا رہے ہیں۔

"کاش کہ میں ایک تنکا ہی ہوتا۔ کاش میری ماں نے مجھے نہ جنا ہوتا۔"

ان جیسا بہادر اور جرأت مند بھی خلافت کے بارِ گراں سے یوں ترساں و لرزاں ہے۔ کیونکہ یہ منصب کوئی پھولوں کی سیج نہیں، بلکہ احکام الٰہیہ کی تنفیذ، انسانی حقوق کے تحفظ، قیام عدل و انصاف اور قوم کی اجتماعی کفالت ہے۔ آپ نے ان عظیم ترین ذمہ داریوں کا جائزہ لیتے ہوئے اپنی اولاد کو اقتدار و حکومت سے منع کیا۔ اور فرمایا کہ:-

"خطّاب کی اولاد میں سے جو بوجھ میں نے اٹھایا ہے وہی کافی ہے۔"

آپ نے اپنے عمل سے یہ واضح کر کے دکھایا کہ خلافتِ ارضی سے مراد وہ نمائندہ حکومت ہے، جو افرادِ معاشرہ کو حدودِ الٰہی کا پابند بناتی ہے۔ بلا تفریق ہر فرد کو ضروریاتِ زندگی مہیا کرتی ہے۔ اور ہر فرد کی عزت و آبرو اور جان و مال کی حفاظت کرتی ہے۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اپنے فرائض کا کھلے بندوں اظہار کیا اور فرمایا:-

"اگر کوئی پیاسا کتّا بھی مر جائے تو اس کی مجھ سے باز پرس ہوگی۔"

اس لئے آپ شکایت کا دروازہ عوام پر بند نہیں فرماتے تھے۔ خود کو تنقید کے لئے ہر وقت پیش کرتے۔ ایک موقعہ پر آپ نے مہر کی مقدار کم مقرر کرنے کا حکم دیا تو ایک خاتون نے بھری محفل میں ٹوکا، اور

Marfat.com

قرآن مجید سے استدلال کرتے ہوئے کہا کہ مہر میں "قنطار" دینے کی صراحت ہے اور ظاہر ہے، اس سے مراد ایک خطیر رقم ہے۔ آپ نے اعتراف کیا اور فرمایا:۔

"عورت نے سچ کہا اور عمر نے خطا کی۔"

خلافت کے فرائض سے سبکدوش ہونے کے لئے آپ ہر مسئلہ پر مسلمانوں سے مشورہ لیتے۔ کبار صحابہ کی مجلسِ مشاورت کے علاوہ عامۃ المسلمین سے بھی رائے طلب کرتے۔ عراق و شام کے مفتوح علاقوں کے سلسلہ میں آپ نے فرمایا:۔

"میں تمہیں اس لئے جمع کرتا ہوں کہ تم انتظامی معاملات کی اس امانت میں میرے شریک بنو۔"

ایک مرتبہ یوں کہا:۔

"مشاورت کے بغیر خلافت کی کوئی حقیقت نہیں۔"

عوام کی رائے کا بیحد احترام کرتے، حتیٰ کہ عمّال کے انتخاب میں عوام کی رضامندی پہلے معلوم کرتے اور انکی عدم رضا پر عمّال کو معزول بھی کر دیتے۔ کیونکہ آپ جانتے تھے کہ ملکی معاملات کا انحصار اس بات پر ہے کہ عوام کو اپنے حکمرانوں پر مکمل اعتماد ہو۔ عدم اعتماد اور تذبذب کی صورت منافرت کا پیش خیمہ بنتی ہے۔ اور منافرت کا انجام بدامنی اور لاقانونیت ہوا کرتا ہے۔ رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم نے سچ فرمایا:۔

"تمہارے وہ حاکم خوب ہیں جن کو تم پسند کرتے ہو اور وہ تمہیں پسند کرتے ہوں۔ اور بدترین ہیں وہ حاکم، جن سے تم بغض رکھتے ہو اور جو تمہیں غضب آلود نگاہوں سے دیکھتے ہوں۔"

حضرت عمر رضی اللہ عنہ عمّال پر کڑی نگرانی فرماتے۔ انتہائی سادہ زندگی گزارنے کی تاکید فرماتے اور عوام سے حُسنِ سلوک کا حکم دیتے۔ آپ کا اصول تھا کہ:۔

"اگر کوئی عامل کسی کو ہدفِ ستم بناتے اور اس کی خبر مجھ تک پہنچ جائے۔ اگر میں اس پر بھی اس عامل کو تبدیل نہ کروں تو اس کا معنی یہ ہوں گے کہ میں نے اس شخص پر ظلم کیا۔"

اس قول سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ حضرت رضی اللہ عنہ رعایا کے حقوق کی نگرانی میں کس قدر احتیاط فرماتے

Marfat.com

تھے۔ ایک مرتبہ عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ کو ان کے کسی ناروا سلوک پر سخت انتباہ کرتے ہوئے کہا:-

"عمرو! تم نے لوگوں کو کب سے غلام بنایا۔ ان کی ماں نے تو انہیں آزاد جنا تھا"

عوام کے دکھ درد میں شریک ہوتے۔ اور ان کی خدمت کے لئے ہر وقت کمربستہ رہتے۔ اختیاری فقر

پیوند لگے کپڑے، انتہائی سادہ غذا، اور بسا اوقات فاقہ کشی۔ اس وجہ سے وہ بجا طور پر مفلوک الحال عوام

کی مجبوریوں کا احساس کر سکتے تھے۔ اور حقیقت بھی یہی ہے کہ عیش و عشرت کے شبستانوں میں خواب استراحت

کے مزے لینے والے عزت و افلاس کا احساس کیونکر کر سکتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے عسرت کی زندگی کو آسائش و آرام کی زندگی پر ترجیح دی۔ اور اس کی علت

یوں بیان فرمائی:-

"میں رعایا کی دیکھ بھال کیسے کر سکتا ہوں جب تک کہ مجھ پر وہ کچھ نہ بیتے، جو اس

پر بیتتی ہے"

بیت المال کے اثاثہ کو کبھی اپنی جاگیر اور جائیداد نہیں بنایا۔ ذاتی نمود و نمائش اور آرام و آسائش کے

لئے اسے استعمال میں لانے کا کبھی خیال تک نہیں کیا۔ آپ برملا کہا کرتے:-

"میں تمہیں بتاتا ہوں کہ بیت المال میں سے میرے لئے کیا جائز ہے۔ کپڑوں کے دو جوڑے،

ایک جاڑے کا، اور دوسرا گرمی کا۔ حج اور عمرہ کے لئے ایک احرام۔ میرے اور اہل و عیال کے لئے فی

کس اتنا کھانا جو قریش کے ایک عام آدمی کی خوراک ہے۔ نہ اس سے زیادہ، نہ اس سے کم۔ اس

کے بعد میں مسلمانوں کا ایک فرد ہوں۔ جو حال اُن کا، سو میرا حال"

مساواتِ انسانی کی یہ انتہا ہے۔ اور جمہوریت کی یہ غایت ہے کہ مسند نشینِ حکومت اور اس کے اعمال

اختیارات کو انتظامی اور تولیتی ادارہ سمجھے۔ یہاں تک کہ تحفظِ ذات کے امتیازی اختیارات فنا ہو جائیں

وہ کارکن جماعت کا ممبر رہ جائے۔

پردہ

اخلاقی اور نفسیاتی ضرورت

ایک مثالی معاشرہ جس کا تصور ہمیں قرآن و حدیث کی روشنی میں ملتا ہے اور جس کی عملی تصویر رسول کریم علیہ التحیۃ والتسلیم کے صحابہ کرام علیہم الرضوان کی مقدس جماعت کی شکل میں مہیا فرمائی تاریخ کے اوراق اس پاکیزہ اور صالح معاشرہ کی حسین صورت اپنے سینہ پر سجائے ہوئے ہیں۔

ایک بہترین سوسائٹی جس کا ہر فرد اپنی جماعت کے دیگر افراد کے ساتھ دکھ درد، رنج و غم، الفت و محبت، اخوت و مودت میں یوں شریک ہے، جیسے ایک ہی جسم کے اعضاء رگوں اور اعصاب کے رشتوں سے باہم مربوط ہوتے ہیں۔ آنکھ دکھتی ہے تو کل جسم درد کا احساس کرتا ہے کسی ایک عضو کو تکلیف پہنچتی ہے تو سارا جسم بخار اور بیداری میں مبتلا رہتا ہے۔ یون یوثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ ان کا طرۂ امتیاز ہے۔

ایسی اعلیٰ قدروں کی حامل سوسائٹی کا قیام اسی صورت میں ممکن ہے کہ انفرادی طور پر ہر فردِ معاشرہ کے جذبات میں نفسیاتی بنیادوں پر ایک خاص نوعیت کا توازن اور اعتدال پیدا کر دیا جائے کیونکہ انسان اپنی طبیعت کے اعتبار سے متضاد اجزائے ترکیبی کا مجموعہ ہے۔ برودت و حرارت، صفرا، وسودا، رطوبت اور خشکی۔ یا یوں کہا جائے آگ، پانی، مٹی اور ہوا۔ ان میں سے ہر ایک کا نقطۂ اعتدال پر رہنا جسمانی صحت کی علامت ہے اور کسی کا اس نقطہ سے ہٹ جانا خطرۂ مرض کا لازم ہے۔

چار طبع مخالف و سرکش   چند روزے بوند باہم خوش

گر یکے زیں چہار شد غالب   جانِ شیریں بر آید ز قالب

اسی طرح انسان کا نفسیاتی تجزیہ کیا جائے تو مختلف بلکہ متضاد جذبات کا مجموعہ دکھائی دیتا ہے۔ ملکوتی جذبات اور بے پناہ احساسات، عقل و روح کا طائرِ بلند پرواز اور حیوانی و شہوانی

Marfat.com

خواہشات کے منہ زور گھوڑے، غصہ و غم اور محبت و نفرت ۔ ذرا غور کیجیے ان میں باہمی کس قدر تضاد ہے یہی وجہ ہے ان میں مسلسل تصادم کی سی کیفیت رہتی ہے۔ ایک کامل اور جامع دین کا کام ان میں توازن برقرار رکھنا ہے کیونکہ حیوانی اور شہوانی خواہشات کے بے لگام گھوڑے انسان پر غالب آجائیں تو بہیمانہ احساسات ملکوتی جذبات کو کچل کر رکھ دیتے ہیں خواہشاتِ نفس طائرِ عقل و وجدان کو قوتِ پرواز سے محروم کر دیتی ہیں۔ غصہ رحم کے جذبات کو راکھ کر دیتا ہے اور نفرت محبت و اُنس کے دیئے بجھا دیتی ہے۔ ایسی صورتِ حال میں انسانیت، جنسی عیاشی، حیوانیت اور درندگی کی ظلمتوں میں ڈوب جاتی ہے اور خاص طور پر جب جذبات و احساسات کا یہ توازن برقرار نہیں رہتا تو سماج کا مزاج بگڑ جاتا ہے۔ اہل دل دن کے اجالوں میں انسانی بستیوں میں "انسان" کی تلاش کو نکلتے ہیں لیکن انسان نہیں ملتے۔

روشنی کے دَور کی یہ ظلمتیں، انتہائی مادی بلندیوں میں یہ اخلاقی پستیاں اور انکشافِ حقائق کے باوصف خود سے بے خبری اور بے بصری انہی جذبات کے عدم توازن کا نتیجہ ہے۔

نبی آخر الزماں حضرت محمد رسول اللہ علیہ وسلم کی امت کو "امت وسط" ہونے کا اعزاز حاصل ہے۔ لڑکپن اور بڑھاپے کا وسط شباب ہے، بخل اور اسراف کا وسط سخاوت ہے تہور (بغیر سوچے سمجھے خطرہ میں کود جانا) اور بزدلی کا وسط شجاعت ہے یہی خصائص محمود اور قابلِ ستائش ہیں علم اخلاق کی رُو سے یہی نقطۂ اعتدال اخلاقیات کی اساس فراہم کرتا ہے جس معاشرے کا ہر فرد اس اعتدال اور توازن کا حامل ہو وہ معاشرہ بجا طور پر "کنتم خیر امۃ" کے خطاب ربانی کا مصداق بن سکتا ہے۔ ایمان کی کسوٹی بھی یہی ہے کہ خواہشات نفسانی اور سفلی جذبات کو دین مصطفےٰ علیہ الصلوٰۃ والسلام کے تابع کر دیا جائے۔ حدیث رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم ہے لایؤمن احدکم حتی یکون ھواہ تبعا لما جئت بہ (تم میں سے کوئی شخص مومن نہیں سکتا جب تک کہ وہ اپنی خواہشات میرے لائے ہوئے دین کے تابع نہ کر دے)

Marfat.com

عورت کی حیثیت ازمنہ قدیم سے افراط و تفریط کا شکار رہی ہے۔ جس زمانے میں عورت کسی قسم کی عزت کے قابل نہیں سمجھی جاتی تھی اور اسے بازار کی جنسِ ارزاں سے زیادہ حیثیت حاصل نہ تھی۔ بچیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا۔ وہاں پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو عزت و احترام کا حقدار قرار دیا۔ ماں، بہن اور بیٹی کی حیثیت سے روشناس کرایا۔ اپنے خطبات میں اس صنف نازک کے حقوق کی نگہداشت پر زور دیا۔ کیونکہ اسلام ایک صالح اور پاکیزہ معاشرہ تشکیل دینا چاہتا ہے۔ ایک "گھر" اس معاشرہ کی ابتدائی اکائی ہے۔ یہیں سے اصلاحی کام کا آغاز ہوتا ہے۔ انبیاء کرام علیہم السلام اور خود پیغمبر اسلام صلی اللہ علیہ وسلم کے تبلیغی مشن کا تاریخی جائزہ اس بات کا شاہد ہے۔

اللہ تعالیٰ نے فطری طور پر عورت کو بچوں کی پرورش اور تربیت اور خانگی امور سلجھانے کا سلیقہ ودیعت فرمایا۔ انہی صلاحیتوں کے پیش نظر مرد کو کسبِ معاش کے لئے باہر کی دنیا کا مہتمم بنایا تو عورت کو گھریلو امور کی نگرانی کے لئے چراغ خانہ۔ ایک عورت پر ایک نسل کے اخلاق و کردار کی تعمیر کا دارومدار ہے عورت جو عفت و حیا کا پیکر ہے وہ خاندان کی عزت، عظمت اور شان کی محافظ ہے۔ اگر ایک عورت کی ردائے عفت داغدار ہو جاتی ہے تو پورا خاندان مسندِ عزت و وقار سے محروم ہو جاتا ہے۔

عفت و پاکدامنی اور شرم و حیا عورت کا زیور ہیں وہ جنسی جنونوں کی دست برد سے کیسے محفوظ رہ سکتی ہے اگر اسے دفتروں، دکانوں، بازاروں، ہوٹلوں، کلبوں، تھیٹروں، فلم سازاداروں اور رقص و سرود کی محفلوں کی زینت بنا دیا جائے۔

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ رحمت عالم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں آپ نے فرمایا "عورت چھپانے کے قابل ہے جب عورت باہر نکلتی ہے تو شیطان اس عورت کو دیکھنے کے لئے مردوں کو راغب کرتا ہے"

اسلام انہیں گھر کی چار دیواری میں محبوس نہیں کرنا چاہتا بلکہ ان محرکات کا سد باب

چاہتا ہے جو فتنہ و فساد کا موجب بن سکتے ہیں۔ قرآن مجید کے مطالعے سے پردے کی شرعی حیثیت و نوعیت کچھ یوں ہے۔

۱۔ مومن عورتوں کو چاہیئے کہ وہ اپنی نگاہوں کو (غیر مردوں کی دید سے) باز رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں۔

قل للمومنات یغضضن من ابصارھن ویحفظن فروجھن

اور یہی حکم مومن مردوں کے لئے ہے کہ وہ غیر محرم عورتوں کی دید سے اپنی نگاہیں پست کر دیا کریں کیونکہ نگاہیں نیچی رکھنے کا فعل ایسا ہے جس سے سفلی جذبات کے اشتعال کی روک تھام ہو جاتی ہے اور یوں عفت نفس محفوظ رہ سکتی ہے۔ حضور رسول کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے فرمایا" لعن اللہ الناظر والمنظور الیہ" (نظر بد سے دیکھنے والا اور خود کو یوں پیش کرنے والا کہ اس کی طرف نظر بد سے دیکھا جائے دونوں اللہ کی رحمت سے بعید ہیں)

حضرت جریرؓ نے سوال کیا۔ اگر غیر محرم عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو؟ آپ نے فرمایا "فوراً منہ پھیر لو"۔ بدنظری زنا کی پہلی سیڑھی ہے۔ اس سے کئی فتنوں کے دریچے کھلتے ہیں۔

۲۔ "وہ اپنے سینوں کو اپنی اوڑھنیوں سے اس طرح چھپائیں کہ قطعاً بے ستر نہ ہوں۔"

ولیضربن بخمرھن علی جیوبھن

۳۔ "اپنے اوپر اپنی چادروں کو لٹکا لیا کریں" ویدنین علیھن من جلابیبھن

اس آیت کی تفسیر میں حضرت عباسؓ کا قول ہے "اللہ تعالیٰ نے مسلمان عورتوں کو حکم دیا ہے کہ جب وہ کسی ضرورت سے نکلیں تو سر کے اُوپر سے اپنی چادروں کے دامن لٹکا کر اپنے چہروں کو ڈھانک لیا کریں۔"

Marfat.com

علامہ ابوبکر جصاص لکھتے ہیں :۔ "یہ آیت اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جوان عورتوں کو اجنبیوں سے چہرہ چھپانے کا حکم ہے۔ اور اسے گھر سے نکلتے وقت پردے کا لحاظ رکھنا ضروری ہے تاکہ بدنیت لوگوں کو اس سے تعرض کرنے کی ذرا بھی جرأت نہ ہو سکے"۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے :۔ "سوار ہمارے قریب سے گذرتے تھے اور ہم رسولِ اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ حالتِ احرام میں تھیں پس جب وہ لوگ ہمارے مقابل آجاتے تو ہم اپنی چادریں اپنے سروں سے کھینچ کر اپنے چہروں پر ڈال لیتیں اور جب وہ گذر جاتے تو منہ کھول لیتی تھیں"۔

۴۔ وہ اپنے پاؤں زمین پر مارتی ہوئی نہ چلیں کہ جو زینت انہوں نے چھپا رکھی ہے (یعنی زیور) اس کا حال معلوم ہو" (یعنی ان کی آواز اور جھنکار سنائی دے)

"ولا یضربن بارجلھن لیعلم ما یخفین

اور

"ولا یبدین زینتھن"

۵۔ اور جاہلی رسوم زیبائش اور حُسن نمائی کا مظاہرہ نہ کریں۔

"ولا تبرجن تبرج الجاھلیۃ الاولی"

پیغمبرِ دو عالم محمد صلی اللہ علیہ وسلم نے عورتوں کو جاہلی رسوم بد سے نجات دلائی۔ انہیں عزت و آبرو اور معاشرتی وقار واپس دلایا۔ دورِ جاہلی میں ان کی عائلی زندگی جہالت اور بدکاری سے عبارت تھی۔ کھلے بندوں ننگے ہو کر نہانا یہاں تک طوافِ کعبہ ننگے بدن کرنے کی رسم کا رواج تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس لعنتِ بد کا خاتمہ کیا۔ زیب و زینت کے نمائشی مقابلوں کو ختم کیا۔

حضرت ابوہریرہ فرماتے ہیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا :۔ "دوزخیوں کی دو قسمیں ہیں ایک کو میں نے نہیں دیکھا —— دوسرے وہ عورتیں جو لباس تو پہنے ہوں گی۔ مگر برہنہ ہوں گی۔ ناز

Marfat.com

سے شانوں کو گھما کر لچکدار چال سے چلیں گی ۔ ان کے سر بختی اونٹوں کے لچکدار کوہان کی طرح ہونگے ایسی عورتیں جنت میں داخل نہ ہوں گی ۔ اور نہ جنت کی خوشبو پائیں گی"۔

غور کیجیئے : دورِ جاہلی کی جاہلیت آپ نے ملاحظہ فرمائی ۔ ذرا اس علمی، عقلی اور سائنسی دور کی جاہلیت بھی دیکھیئے ۔ تھیٹروں، رقص گاہوں، فلم سازی کے مراکز میں عورتوں کے برہنہ اور ہیجان انگیز مظاہراتِ حسن ۔ باغوں میں مردوں کے ساتھ ہاتھ میں ہاتھ ملا کر گشت کرنا ۔ پارکوں میں عیاشیاں کرنا ۔ رقص و سرود کی محفلوں میں بے حیائی کا مظاہرہ کرنا ۔ بازاروں میں نمائش حسن کا اظہار کرنا ۔ آرٹ اور ثقافت کی آڑ میں صنفِ نازک کو اپنی جنسی خواہشات کی بھینٹ چڑھا کر اسے ننگا کرنا ۔ عریاں تصویروں میں بوس و کنار اور اختلاط و ارتباط کے مناظر دکھانا ۔ اور فحش اور گندے لٹریچر میں عشقیہ افسانوں اور ناولوں سے تسکینِ جنس کے سامان تلاش کرنا کیا اس دور (قبل از اسلام) کی جاہلیت سے کم ہے ؟

۶۔ عورتوں کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے گھروں میں بیٹھی رہیں ۔

وقرن فی بیوتکن

اگرچہ یہ آیات ازواج مطہرات نبی کریم علیہ السلام سے متعلق ہے تاہم فقہائے کرام نے دیگر آیات اور احادیث سے استنباط کیا ہے کہ دوسری مومن عورتوں کے لئے پردہ کی نوعیت حالات کے اعتبار سے مختلف ہے ۔ اگر فتنہ عام ہو جائے تو ایسے حالات میں ہتھیلیاں اور چہرے جو ڈھانپنے سے عمومی حالات میں مستثنیٰ ہوتے ہیں کا ڈھانپنا بھی ضروری ہے ۔

بوقتِ ضرورت گھر سے باہر جانے کی بھی اجازت ہے مگر کچھ شرائط کے ساتھ :

۱۔ بن سنور کر نہ نکلیں کہ طبیعتیں اُن کی طرف مائل ہوں عصمت مآبی کا پورا لحاظ رکھا جائے اور نمائش حسن کبھی مقصود نہ ہو ۔

۲۔ رفتار میں لچک یا کوئی خاص ادا نہ ہو ۔ اور نہ زیور کی جھنکار نہ سنائی دے کہ نگاہیں متوجہ ہوں ۔

۳۔ باریک اور چست لباس نہ ہو ۔ اللہ کی لعنت ہے ان عورتوں پر جو لباس پہن کر بھی ننگی رہتی ہیں

Marfat.com

۴۔ عطر اور خوشبو لگا کر دعوتِ گناہ کا قصد نہ کیا جائے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلّم نے صاف فرمایا کہ جو عورت عطر لگا کر لوگوں کے درمیان گذرتی ہے وہ آوارہ قسم کی عورت ہے۔ حدیثِ رسول ہے:۔

"المرءة اذا استعطرت فمرت بالمجلس فهی کذا وکذا"

اسلام میں اس فتنے سے بچنے کے لئے کئی احتیاطی تدابیر بھی اختیار کی گئی ہیں۔ مرد و زن کا آزادانہ اختلاط جس سے بداخلاقی کے فتنے جنم لے سکیں خواہ وہ کلبوں میں ہو یا مساجد میں یا اسکولوں اور کالجوں میں بہر صورت ممنوع ہے۔ گرچہ مساجد میں جانے کے لئے بنیادی طور پر اجازت ہے جیسا کہ آنحضرت صلّی اللہ علیہ وسلّم کے زمانے میں معمول تھا لیکن اگر فتنہ کا خطرہ ہو فقہانے اس کی صراحت کی ہے کہ ایسی صورت میں اجازت نہیں دی جا سکتی اور خود رسول اللہ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا کہ ایسے حالات میں عورت کی نماز بہ نسبت مسجد کے گھر میں بہتر ہے۔ اور آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم کا یہ بھی ارشاد ہے۔ لوگو! اپنی عورتوں کو مسجدوں میں ناز کے ساتھ آنے سے بند کرو۔ کیونکہ بنو اسرائیل پر خدا کی لعنت اس وقت آئی تھی جب اُن کی عورتیں بن سنور کر مسجدوں میں جانے لگیں"۔

حضرت عبداللہ بن مکتوم کاشانۂ رسالت مآب صلّی اللہ علیہ وسلّم پر حاضر ہوئے تو آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے حضرت میمونہؓ اور ام سلمہؓ سے فرمایا کہ وہ اُن سے پردہ کرلیں" عرض کی گئی کہ "وہ نونابینا ہیں" آپ صلّی اللہ علیہ وسلّم نے فرمایا "تم تو دیکھتی ہو"

اسلام میں تو یہاں تک اہتمام ہے کہ "اگر غیر محرم عورتوں سے کوئی چیز مانگنا چاہیں تو دیوار کے پیچھے سے مانگیں" "فاسئلوهن من وراء حجاب"

قرآن وحدیث کی ان تصریحات کے باوجود زعماء ملت اور قائدین، دانشور اور سفینۂ ملت کے نگہبان اس مسئلہ کی نزاکت کا کیوں احساس نہیں کرتے؟

وہ سرِ عام عورتوں کے چہروں سے نقاب نوچتے اور اس کی تلقین کرنے پر کیوں مُصر ہیں؟

Marfat.com

بُرا ہو اس تہذیب نوی کا جس نے مسلسل ملحدانہ فکر سے قومی غیرت اور دینی حمیت کے اعصاب کو مفلوج کر کے رکھ دیا۔ عورتوں کے چہروں سے پردہ کیا اُٹھا کہ مردوں کی عقل پر پڑ گیا۔ اندھی تقلید سے خوب ناخوب کی تمیز اُٹھ گئی اپنے سر کی آنکھوں سے یورپ میں عائلی زندگی جہنم زار ہوتے دیکھ رہے ہیں۔ لیکن ہم ہیں کہ اسے عبرت پذیری کے قابل ہی نہیں گردانتے۔

ذرا تصور کیجئے اگر اس عام عریانی اور آزادانہ اختلاط سے مرد کی نگاہ بدکہیں اور اُٹھ سکتی ہے اور ایسے ہی عورت کی نگاہِ انتخاب اُٹھ سکتی ہے تو کیا ممکن نہیں کہ یہی فعل زوجین کے مابین نفرت کے بیج بو دے اور پھر اس شجرہ خبیثہ سے سابقہ زندگی کی رفاقت کے لمحات زوجین کی نگاہ میں اپنی اہمیت کھو بیٹھیں۔ اور پھر یہ واقعہ ہے کہ معاشرتی طور پر میاں بیوی کے ناخوشگوار تعلقات، طلاق و علیحدگی کی واردات بچوں کی شخصیت اور کردار کی تعمیر میں بدترین اثرات مرتسم کرتی ہے اور پھر وہ نسل جب زندگی کے عملی میدان میں آتی ہے تو معاشرہ مجموعی طور پر ان مضرات اور مفاسد سے ملوث ہو جاتا ہے۔

اگر اخلاقی نقطۂ نظر سے دیکھا جائے تو اس کی برائیاں بالکل واضح ہیں اس کے لئے لمبی چوڑی تمہید کی ضرورت نہیں، سڑکوں، بازاروں، اسکولوں، کالجوں میں عام چھیڑ چھاڑ، آوازے کسنا اغوا کی واردات، عصمت دری کی قبیح حرکات سے متعلق ڈرامے اور اخبارات کی شہ سرخیاں اس تلخ حقیقت کی گواہ ہیں۔

عام طور پر خیال کیا جاتا ہے کہ پردہ عصری سائنسی اور تکنیکی ترقی میں زبردست رکاوٹ ہے۔ حالانکہ یہ ایک خیالِ خام ہی ہے، اسلام عورتوں کی تعلیم سے نہ پہلے غافل رہا ہے اور نہ ہو سکتا ہے صحابیات کے علاوہ کئی مسلم خواتین کے نام پیش کئے جا سکتے ہیں، جن کی حدیث، فقہ، علم و ادب اور سیاست میں گراں قدر خدمات ہیں ہاں اسلام کے ہاں عورتوں کی تعلیم سے متعلق ایسا کوئی تصور نہیں جس میں معاشرہ کی اخلاقی قدریں ہی دھڑام سے گر جائیں، ان کیلئے پاکیزہ ماحول مہیا کرنا حکومتِ اسلامیہ کا فرض ہے جس میں وہ اس نوعیت کے جنسی محرکات کی زد سے بچ کر علم و فن اور ملک و ملت کی بہترین انداز میں خدمت کر سکیں۔

Marfat.com

۹۲

قانون اور احترامِ قانون

تحریر : محمد شریف سیالوی ایم اے ایل ایل بی

قانون اور اخلاق کا باہمی چولی دامن کا ساتھ ہے۔ دونوں کا وجود ایک دوسرے کے لئے ناگزیر ہے۔ ان کا باہمی تعلق کچھ یوں ہے، قانون شکل ہے تو اخلاق اس کا مادہ۔ قانون اگر ایک جسم فرض کیا جائے تو نظامِ اخلاق کی حیثیت ایک روح کی سی ہے۔ حیات جس طرح اتصال جسم و روح کا نام ہے اسی طرح کسی قوم و ملت کی فعال زندگی بھی نظامِ قانون اور نظامِ اخلاق کے باہمی اتصال اور تعامل سے عبارت ہے۔ جس طرح جسم بغیر روح کے بے جان اور جمود کا شکار ہو جاتا ہے اسی طرح کوئی بھی نظام قانون بدون اخلاقی احساس کے قوت و حرکت سے محروم ہو جاتا ہے۔ امتیاز کی حد تک کہا جا سکتا ہے کہ قانون کا تعلق قالب سے ہے اور اخلاق کا قلب سے۔ قانون کو سلسلہ نفاذ میں اولیت حاصل ہے یا اخلاق کو؟ یہ ایک مسئلہ ایسا ہے جیسے پوچھا جائے مرغی پہلے ہے یا انڈا؟ یوں تو قانون کی حکمرانی اور اخلاق کی حکمرانی کے مابین تقدم و تاخر کے اعتبار سے امتیازی لکیر کھینچنا بہت مشکل ہے۔

نظام مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم کے بارے میں یہ بحث کہ اسلام کو دفعتہً نافذ کیا جائے۔ یا بتدریج ایسے ہی ہے جیسے کہا جائے کہ نفاذِ اسلام کے قانون کے نفاذ سے قبل اصلاحِ اخلاق ضروری ہے یا اصلاحِ اخلاق کے لئے نظامِ قانونِ اسلام کا نفاذ ضروری ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اسلام ایک کل ہے اور نظام اخلاق اور نظامِ قانون اس کے دو لاینفک پہلو ہیں، اسلامی نظامِ زندگی میں صرف جسم و قالب کی سرگرمیوں کی تحدید و تعین نہیں بلکہ اس کے ساتھ ساتھ قلب و روح کی تطہیر اور تہذیب نفس کا بھی اہتمام ہے۔ اور یہ اس لئے بھی ضروری ہے کہ وہ سماجی اور اخلاقی اقدار جن کی حکمرانی ذہنیاتِ شعور اور لاشعور پر بھی ہوتی ہے انہیں پیشِ نظر رکھے بغیر کوئی بھی نظامِ قانون کامیاب نہیں ہو سکتا۔ کیونکہ کسی بھی نظامِ قانون کی کامیابی کا انحصار احترامِ قانون کے اجتماعی احساس کے ممکنات پر ہے، ایسا قانون جسے اخلاقی

Marfat.com

اقدار کی تائید حاصل نہ ہو اس کی کامیابی کے امکانات نہ ہونے کے برابر ہوتے ہیں، برصغیر اور مسلمانانِ عالم کا استعماری نظامِ قانون کے خلاف ہمیشہ برسرِ پیکار رہنا اس کی واضح دلیل ہے۔ نتیجتہً اخلاقی اقدار کے منافی یا متصادم نظامِ قانون اپنا اثر کھو بیٹھتا ہے۔ پورا نظامِ عدالت و قانون لطائف الحیل بن جاتا جس کی وجہ سے غریب فرد کے لئے حصولِ انصاف جوئے شیر لانے سے کم مشکل نہیں ہوتا۔ اخلاقی سپرٹ نہ ہونے کی وجہ سے سارا زور قانونی موشگافیوں پر لگ جاتا ہے اور یوں قانون کی روح کا سرِعام خون ہو کے رہ جاتا ہے۔

نظامِ قانون سے معروف معنوں میں عدالتوں کا قیام عمل میں آتا ہے جس کی نگرانی جج اور منصف کرتے ہیں۔ نظامِ اخلاق میں مقدمات کو سماعت کے لئے "ضمیر" کی عدالت میں پیش کیا جاتا ہے "ضمیر" ایک ایسا جج ہے جو اپنے فیصلے میں غلطی نہیں کرتا، اس کی رسائی اعمالِ ظاہرہ کی صحت اور عدمِ صحت تک ہی نہیں بلکہ اس سے بڑھ کر یہ ان محرکات کا بھی کھوج لگا سکتا ہے جو ظاہری اعمال کے پس منظر میں ایک زبردست قوت کی حیثیت سے کام کرتے ہیں

جرائم کے انسداد میں نظامِ قانون صرف اس حد تک مفید ہے کہ اس کی گرفت کے خوف سے منظرِ عام پر برائی کا خاتمہ ہو سکتا ہے لیکن یہ کہ وہ برائی چوری چھپے بھی نہ ہو، نظامِ قانون سے باہر ہے اور برائی کا استیصال اور سرے سے خاتمہ نظامِ اخلاق ہی سے ممکن ہے۔ پابندیٔ قانون اور احترامِ قانون میں باریک مگر نہایت اہم فرق ہے۔ تعزیراتی نظام پابندیٔ قانون تو سکھا سکتا ہے احترامِ قانون کا سبق نہیں دے سکتا۔ یہ نصیب نظامِ اخلاق کو حاصل ہے۔

اس بحث کا حاصل مقصد یہ ہے کہ قانون اور اخلاق کے باہمی ارتباط اور تعامل سے ہی حقیقی انصاف معاشرتی امن و سلامتی اور ملکی و ملی استحکام حاصل ہو سکتا ہے۔ اسلامی نظام کا عملی نفاذ اپنے صحیح معنوں میں اسی صورت میں ممکن ہے جب ان دونوں پہلوؤں کو ایک ساتھ عملی شکل دی جائے۔ انفرادی اصلاح جس کی بنیاد تقویٰ اور خوفِ الٰہی ہے یہی اخلاقیات کی بنیاد ہے۔ قانونی ضابطے اور تعزیراتی نظام ایک محتسب کی حیثیت سے کام کرتے ہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے انفرادی اصلاح کے لئے

Marfat.com

تقویٰ پر بہت زور دیا ہے۔ اور فرمایا کہ جسم میں ایک ٹکڑا ہے اگر وہ درست ہو جائے تو سارا جسم درست ہو جاتا ہے۔ آپ نے دل کی طرف اشارہ کرتے ہوئے فرمایا "تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے، تقویٰ یہاں ہے" یہی قلب تقویٰ کا محل ہے اور اعمال کی جائے صدور، جوارح کے اعمال قلب کے تابع ہوتے ہیں۔ اگر قلب خشیت الٰہی اور محبتِ رسولؐ سے مملو ہو تو اعمال خود بخود درست ہو جاتے ہیں، بایں ہمہ اگر غفلت یا فرطِ شہوات سے کوئی گناہ سرزد ہو بھی تو فوراً احساسِ ندامت دامن گیر ہو جاتا ہے۔

نفسِ لوامہ کی سرزنش سے انسان اپنا احتساب کرتا ہے اس حاسہ اخلاق کے بیدار ہونے کی صورت میں انسان اپنا ہر مقدمہ ضمیر کی عدالت میں پیش کرتا ہے وہ اپنے کئے کو چھپانے کے لئے جھوٹ اور حیلہ کا سہارا نہیں تلاش کرتا بلکہ اعترافِ جرم اور سزا کو قبول کرنے میں بہتری خیال کرتا ہے۔ قرونِ اولیٰ میں بیداریٔ ضمیر کی بہت سی ایسی مثالیں ملتی ہیں کہ اگر کوئی شخص کسی جرم کا ارتکاب کر بیٹھا تو اس نے خود کو اعترافِ جرم کے ساتھ عدالت میں پیش کر دیا اور عدالت کے فیصلہ کو بطیب خاطر قبول کر لیا کتبِ حدیث میں حضرت ماعزؓ کا واقعہ مذکور ہے وہ بدکاری کر بیٹھے، ضمیر نے سخت ملامت کی اور حاسۂ اخلاقی نے زبردست سرزنش، سیدھے بارگاہِ نبویؐ میں حاضر ہوئے اور عرض کیا یا رسول اللہ مجھے پاک کیجئے۔ رسول اللہؐ نے انہیں تین مرتبہ لوٹایا اور فرمایا کہ غور کر لو کیا کہہ رہا ہے لیکن وہ مصر رہے حتیٰ کہ ان پر حد لگائی گئی اور یوں بارگاہِ خداوندی میں کامیاب و کامران ہو گئے۔

اصل واقعہ یہ ہے کہ قانون کا وظیفہ فرائض و حقوق کے تعین اور تقسیم ہے۔ حقدار کو حق دلانا، اور فرض کی انجام دہی کا پابند بنانا بصورتِ خلاف ورزی سزا دینا ہے لیکن سوال یہ ہے کہ حق کو بطیب خاطر تسلیم کرنے اور فرض کی انجام دہی کا احساس کیونکر پیدا ہوتا ہے؟ اس کا جواب واضح ہے، یہ تسلیم و احترام ایمان کا تقاضا ہے، خدا اور یوم آخرت پر ایمان رکھنا، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی محبت اور اطاعت کا جذبہ ہی احترام حقوق اور احساسِ فرض شناسی کی بنیاد ہے

جھوٹی گواہی، غلط بیانی اور حقائق کو توڑ کر پیش کرنا جو تقریباً ہمارے معاشرہ کی ایک مستقل روایت بنی جا رہی ہے اس کی اصل وجہ اخلاقی کمزوری ہے۔ یہ بات اپنی جگہ طے ہے کہ اسلام میں اخلاقی اقدار

Marfat.com

کا انحطاط دراصل نتیجہ ہے ایمان و یقین میں کمزوری کا۔ ایک مسلمان کی جان و مال اور عزت و آبرو کی حفاظت صرف اخلاقی فریضہ ہی نہیں بلکہ یہ ہمارے ایمان کا حصہ ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خطبہ حجۃ الوداع کے موقع پر فرمایا کہ ایک مسلمان کی جان، اس کا خون اور مال و عزت دوسرے مسلمان کے لئے اتنا ہی قابلِ احترام ہے جتنا کہ آج کا دن، یہ مہینہ اور یہ شہر۔

اسی طرح حلال و حرام کی تمیز، حلال کو حلال اور حرام کو حرام سمجھنا مومن کی اندرونی خصوصیت ہے۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ بسا اوقات عدالت میں مقدمہ پیش کیا جاتا ہے اور ایک شخص زبان و بیان پر قدرت کی وجہ سے فیصلہ اپنے حق میں کروا لیتا ہے تو اس کا مطلب یہ ہرگز نہیں کہ وہ چیز اس کے لئے حلال ہو گئی۔ اسی طرح عدالتی کارروائی اور فیصلہ ظاہر حال پر ہوتا ہے لیکن اُخروی ثواب و عقاب اور جزا و سزا قاضی کے فیصلہ پر نہیں۔ ظاہری دنیا کے احکام تو اسی فیصلے پر طے ہونگے لیکن حقیقتِ حال تو خدا سے پوشیدہ نہیں لہٰذا اُخروی انجام سے چھٹکارا کی کوئی گنجائش نہیں۔ مومن تو بہرحال مکافاتِ عمل کے روز پر ایمان رکھتا ہے صرف قاضی کا فیصلہ اطمینانِ قلب کے لئے کافی نہیں تا وقتیکہ ضمیر بھی اس کے حق میں فیصلہ نہ دے۔ اسی لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک صحابی کے استفسار پر فرمایا:

"استفتِ قلبکَ" اپنے دل سے فتویٰ لے۔

اگر ہم گرد و پیش کا جائزہ لیں اور آئے روز ہونے والے فسادات اور تنازعات کا تجزیہ کریں تو یہ حقیقت آشکارا ہو جاتی ہے کہ حلت و حرمت کے معیارات کا احترام جو ایمان میں داخل ہے روز بروز کم ہو رہا ہے۔ واقعہ یہ ہے کہ کتنی اخلاقی ضابطے جرائم کا سدّباب کرتے ہیں، جو قابلِ تعزیر اور حد ہوتے ہیں مثلاً ایک شخص نے بارگاہِ رسالت میں شکایت کی کہ اس میں بہت سی خرابیاں ہیں مثلاً زنا، سرقہ، اور جھوٹ بولنا وغیرہ اور یہ کہ ان سب کا فوری طور پر چھوڑنا اس کے لئے ممکن نہیں، رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ تو مجھ سے جھوٹ نہ بولنے کا عہد کرتا ہے؟ چنانچہ وہ شخص بہت خوش ہوا کہ رسول اللہ صلعم نے مجھ سے سب سے آسان کام

Marfat.com

اس نے عہد کیا وہ جھوٹ نہیں بولے گا۔ اس کے بعد جب بھی وہ حسب عادت کسی برائی کا قصد کرتا تو معاً خیال آتا کہ اگر مجھ سے رسولِ خدا صلی اللہ علیہ وسلم پوچھ لیں تو کیا جواب ہوگا، اگر وعدہ کی پابندی کرتے ہوئے سچ کہوں تو سزا سے نہیں بچ سکتا اور اگر جھوٹ بولتا ہوں تو وعدہ کی خلاف ورزی۔ نتیجتہً ان ساری برائیوں سے نجات مل گئی۔ یوں اسلام میں جہاں جرائم کے سدّباب کے لئے نظامِ تعزیرات وحدود ہے وہاں تطہیرِ قلوب اور اصلاحِ احوال کا اہتمام بھی ناگزیر ہے، ترہیب و ترغیب دونوں طریقوں سے ہی برائی کو ختم کیا جا سکتا ہے۔ نظامِ تعزیرات ترہیب کی راہ ہے تو نظامِ اخلاق ترغیب کی۔ انسانی نفسیات فطری طور کچھ ایسے واقع ہوئی ہے کہ اس کی اصلاح کے لئے تحذیر اور تلقین دونوں کی مساوی ضرورت ہے ان میں سے کسی ایک سے اغماض مکمل نظامِ مصطفوی کے نفاذ کی نفی ہے اور ظاہر ہے ان دونوں کی اجراء و نفاذ کے بغیر وہ ثمرات حاصل نہیں ہو سکتے جو اس نظامِ رحمت کا خاصہ ہیں۔

امر بالمعروف اور نہی عن المنکر کے ضمن میں معاشرہ میں امن و سلامتی، عزتِ نفس کی حفاظت کے لئے جرائم کے مرتکب افراد کی سخت گرفت کا حکم دیا گیا۔ اور اس سلسلہ میں کسی قسم کی نرمی کو روا نہیں رکھا گیا وہاں اجتماعی ماحول کو نیکی اور تقویٰ کا مظہر بنانے کے لئے دعوت ارشاد و تبلیغ کے شعبہ کو حکمت و موعظت حسنہ کے اصُول پر چلانے کا حکم دیا۔ اسلامی حکومتوں کا فرض اتنا نہیں کہ وہ تعزیرات کو نافذ کر دیں اور بس بلکہ قرآن و سنت کی تعلیمات کو فروغ دینا اور اخلاقی قدروں کی موثر انداز میں تبلیغ بھی اس کے فرائض منصبی میں شامل ہے۔ اقامتِ صلوٰۃ، احترامِ نبوت، عظمت شعائر اللہ اور اکابر دین وملت کے احترام کی حفاظت کرنا اور ان کے منافی سرگرمیوں کا سدباب اور اس نوعیت کے دیگر امور بھی اتنے اہم ہیں جتنا کہ قانون کا نفاذ۔

یہ ایک اٹل حقیقت ہے کہ اگر ابلاغِ عامہ کے ذرائع مذکورہ مقاصد کے خلاف زہر افشانی کرتے ہیں اور عقائد کی مضبوط دیواروں میں شگاف ڈال کر اخلاقی اقدار کو متزلزل کر دیں تو پھر قانون بھی قوتِ نافذہ اور قوتِ تاثیر سے محروم ہو جاتا ہے۔

Marfat.com

پاکستان میں اسلامی نظام کے نفاذ کی پیش رفت خوش آئند ہے۔ ضرورت اس امر کی ہے کہ اسلامی نظام کے بہار آفریں عہد سے دامنِ حیات کو اطمینان و سکونِ قلب کے پھولوں سے بھرنے اور کشتِ حیات کو نظامِ مصطفےٰ صلی اللہ علیہ وسلم سحابِ رحمت کے زندگی بخش چھینٹوں سے سیراب کرنے کے لئے اسلامی حقائقِ زندگی، نظامِ اخلاق و معاشرت کی مؤثر اور دلنشین انداز میں تبلیغ کے لئے تمام تر ممکن وسائل کو بروئے کار لایا جائے۔

Marfat.com

بیمہ اور اس کی شرعی حیثیت

ادارہ کے زیرِ اہتمام محفلِ معاصرین منعقدہ ۴ جون ۱۹۸۱ء میں یہ مقالہ پڑھا گیا۔

انسان فطری طور پر اپنی بقاء کے لئے بہت سے مادی وسائل کا محتاج ہے۔ اپنی ان بنیادی ضروریات کی تسکین کے لئے وہ ان وسائل کی جستجو اور استعمال میں ذہنی اور عملی صلاحیتوں کو صرف کرتا ہے۔ اس غرض سے کہ اس کی حاجات پوری ہوسکیں وہ اس مقصد کے لئے نت نئی راہیں تلاش کرتا ہے اور نئے نئے طریقے وضع کرتا ہے۔ تاریخ علم معاشیات کا مطالعہ اس لحاظ سے نہایت دلچسپ ہے کیوں کہ انسان نے بنیادی ضروریات کی تکمیل، ناگہانی آفات سے بچاؤ، تحفظ ذات واملاک اور حصول آسائش کیلئے کیسے انداز اپنائے، نئے نئے معاشی تصورات و نظریات پر وسیع معاشی نظامہائے زندگی کی بنا ڈالی۔ ان فکری اور عملی سرگرمیوں کا دائرہ معیشت کے تمام پہلوؤں سے تعلق رکھتا ہے۔

نظامِ بیمہ کی موجودہ شکل اسی بنیادی احساس اور ارتقائے فکر کا نتیجہ ہے جو بحیثیت نظریہ اشخاص واملاک کے تحفظ کی ضمانت دیتا ہے، کیوں کہ زندگی عبارت ہے مختلف حوادث و واقعات سے جو زندگی کے کسی بھی مرحلہ پر واقع ہوسکتے ہیں اور یوں یہ املاک اشخاص کے لئے باعث خطرہ ہیں۔ اس غیر یقینی صورت حال کا نتیجہ احساس عدم تحفظ ہے نظامِ بیمہ کا، بنیادی مقصد ان ممکنہ خطرات سے ایک فرد پر واقع ہونے والے نقصان اور

Marfat.com

ضرر کو متعدد افراد پر تقسیم کرکے ایک فرد کی ذمہ داری میں ایک جماعت کو شریک بنانا ہے۔
اس لئے علمائے قانون کی نگاہ میں نظامِ بیمہ ایک قسم کا امداد باہمی کا ادارہ ہے جس کے ارکان مقررہ وقت پر چندہ دیتے رہتے ہیں اور جب ان میں سے کوئی فوت ہو جائے تو اس کے ورثاء کی امداد کے لئے ان کو اجتماعی اندوختہ میں سے موعودہ رقم مل جاتی ہے۔

اس ادارہ کے شرکاء جنہیں خطرات کا سامنا ہوتا ہے وہ مخصوص اور معینہ مقدار میں چندہ باقاعدگی سے ادا کرتے ہیں اور ان میں سے کسی ایک پر بالفعل خطرہ واقع ہونے پر دوسرے اپنے بعض حصص کی قربانی سے اس بڑے نقصان کی ذمہ داری اٹھانے میں شریک ہوتے ہیں۔ یا یوں کہا جائے کہ بیمہ باہمی تعاون و ضمانت کا وہ نظام ہے جس میں خطرات، مصائب اور نقصانات کو بیمہ داروں کی مجموعی حاصل شدہ اقساط میں سے مصیبت زدہ یا نقصان زدہ کو بطریق معاوضہ ادائیگی کی جاتی ہے تاکہ نقصان اٹھانے کی ذمہ داری ایک فرد پر نہ رہے۔

ایک نظریہ کی حیثیت سے نظام بیمہ تعاون کی بہترین مثال ہے۔ شریعتِ اسلامیہ تعاون علی البر پر مبنی ہر ایسے عمل کو مستحسن سمجھتی ہے۔ جیسا کہ بیمہ کی تعریف سے ظاہر ہے بنیادی تصور نقصان کی ذمہ داری اٹھانا اور دوسرے شخص پر ضمان کا منتقل کرنا ہے۔
یہ تصور فقہ اسلامی میں بھی ملتا ہے۔ مثلاً قدیم زمانہ قبل از اسلام سے "عاقلہ" کا نظام اہلِ عرب م[illegible] رہا ہے جس میں خون بہا کی ادائیگی ایک فرد کی بجائے اس کے خاندان کے افراد پر تقسیم کردی جاتی ہے۔ کیوں کہ ایک فرد کے لئے غالباً یہ ممکن نہیں کہ وہ خون بہا کی رقم تنہا ادا کرسکے گویا خون بہا کی رقم بطور ضمان پورے قبیلہ کو منتقل ہو جاتی ہے۔ بیمہ میں بھی تقریباً یہی صورت حال ہے کیوں کہ اس میں وقوع خطرہ اور نزول آفت میں تدارک نقصان کی ذمہ داری اور ضمان دوسرے افراد کو منتقل کردی جاتی ہے۔

اسی طرح یہ تصور عقد موالاۃ میں بھی ملتا ہے جس میں ایک نومسلم دوسرے مسلمان کے

Marfat.com

ساتھ عقد کرتا ہے۔ اس بنیاد پر کہ اگر وہ (مسلم) اس سے سرزد ہونے والی خطائی جنایات میں مالی ضمان برداشت کرے تو وہ اس کے شرعی وارث کی حیثیت سے اسکے مرنے پر وراثت پائے گا۔

بیمۂ زندگی میں ایک اور خوبی جو نظر آتی ہے وہ مرنے والے کے ورثاء کو رقم بیمہ کی ادائیگی ہے۔ ورثاء کو خوشحال چھوڑنے کا یہ طریقہ حدیثِ رسول مقبول صلی اللہ علیہ وسلم کے عین مطابق ہے۔ جس میں آپ نے فرمایا کہ اپنے ورثاء کو غنی چھوڑنا اس سے بہتر ہے کہ وہ کشکول گدائی لئے پھریں۔ اس لئے ایک تہائی سے زیادہ وصیّت کی ممانعت فرمائی۔

ان حقائق اور مؤیدات کی روشنی میں نظام بیمہ نظریہ کی حیثیت سے اسلامی ریاست کے بنیادی فرائض اور مقاصد کی تکمیل میں ممد ثابت ہو سکتا ہے۔ اس حد تک علمائے اسلام متفق ہیں البتہ نظامِ بیمہ کی عملی تشکیل اور معاہدہ بیمہ کی تکوین میں اختلاف ہے اسلئے یہ فرق ملحوظ رکھنا ضروری ہے۔ بیمہ بحیثیت نظریہ اور بیمہ بحیثیت معاملہ اور عقد۔ جہاں تک نظریہ کا تعلق ہے۔ اس کے شرعاً مستحسن ہونے میں کسی کو اختلاف نہیں۔ دوسری صورت قابلِ بحث ہے۔

کیونکہ بظاہر ایک کام مطابق شرع ہوتا ہے لیکن وہ وسائل جو اس کے لئے استعمال کئے جاتے ہیں۔ شرعاً حرام ہوتے ہیں اور ان حرام وسائل کی وجہ سے وہ معاملہ بھی غیر شرعی قرار پاتا ہے اس کی مثال یہ ہے کہ ایک طوائفہ حرامکاری سے دولت جمع کرتی ہے۔ اس لئے کہ وہ مسجد تعمیر کروائے یا خیرات دے، گو مسجد کی تعمیر اور خیرات بذات خود مشروع کام ہیں لیکن وسائل و ذرائع اس کام کے غیر شرعی ہیں اسلامی نقطہ نگاہ سے معاملات کی صحت و حلت کا ضابطہ یہ ہے کہ مشروع مقاصد مشروع طریقوں سے حاصل کئے جائیں۔ اس لئے نظام بیمہ میں تعاون باہمی کو ایک نظر سے دیکھتے ہوئے جھٹ کہہ دینا اسلام کے عین مطابق ہے۔ اسلام

Marfat.com

سے بے خبری کی دلیل ہے بلکہ دیکھنا یہ ہے کہ اس "تعاون" کے لئے جو ذرائع اور طریقے استعمال کئے گئے ہیں وہ بھی شرعاً جائز ہیں یا نہیں۔

استاذ ابوزہرہ مصری نے بیمہ پہ بحث کرتے ہوئے کہا اگرچہ اس کی اصلیت تو تعاون محض تھی لیکن اس کا انجام بھی اس ادارہ کا سا ہوا جو یہودیوں کے ہاتھ میں ہوا کہ یہودیوں نے اس نظام کو جس کی بنیاد تعاون علی البر والتقوی تھی لے کے ایک ایسے یہودی نظام میں تبدیل کر دیا جس میں قمار اور ربوا دونوں پائے جاتے ہیں۔

اس تمہید کے بعد یہ مناسب معلوم ہوتا ہے کہ بیمہ کی موجودہ شکل کا تجزیہ کیا جائے۔ جیسا کہ قانون بیمہ میں عقد بیمہ کی تعریف کی گئی اس اعتبار سے بیمہ ایک معاملہ اور معاہدہ ہے جو بیمہ دار اور بیمہ کنندہ کے درمیان طے پاتا ہے۔ بیمہ کنندہ حکومت، کوئی انجمن یا نجی کمپنی ہو سکتی ہے۔ پہلی صورت اجتماعی یا ریاستی بیمہ کی ہے جس کا انتظام حکومت کے ہاتھوں ہوتا ہے دوسری صورت تبادلی بیمہ کی ہے جس کی تشکیل رفاہی انجمنوں و پیشہ وارانہ تنظیموں کے ذریعے ہوتی ہے۔

تیسری صورت بیمہ کمپنی کی ہے جس میں نجی کمپنی' دوسری تجارتی کمپنیوں کی طرح بیمہ کا کاروبار کرتی ہے۔

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے:

اجتماعی بیمہ میں حکومت شعبہ صنعت و حرفت مثلاً کان کنی وغیرہ میں کام کرنے والے مزدور طبقہ کے لئے بیمہ کا اہتمام کرتی ہے اور یہ عموماً لازمی ہوتا ہے۔ اس بیمہ کاری کا مقصد یہ ہوتا ہے کہ کام کے دوران واقع ہونے والے حادثات، بیماری، بڑھاپے وغیرہ کی صورت میں مزدور، صنعت کار اور حکومت کے مجموعی چندے سے آفت زدہ یا اس کے پسماندگان کی مدد کی جائے۔

تبادلی بیمہ میں وہ تمام افراد جنہیں خطرہ لاحق ہو سکتا ہے اپنے خطرہ کی نسبت سے

Marfat.com

سالانہ یا ماہانہ چندہ ادا کرتے ہیں اور ان میں سے کسی کو بالکل خطرہ لاحق ہو تو اپنے مجموعی اندوختہ سے اسے معاوضہ دیتے ہیں۔ اگر یہ عوض اس کی ادا کردہ اقساط سے کم مالیت کا ہو تو اس کی بقیہ قسطوں کی مالیت کم کر دی جاتی ہے اور اگر عوض زیادہ ہو تو زائد قسطوں سے وہ رقم پوری کر دی جاتی ہے۔ بسا اوقات رفاہی اور خیراتی ادارے اس کی بقیہ اقساط کو پورا کر دیتے ہیں۔ یوں اس بیمہ میں قسط کی مقدار کم و بیش ہوتی رہتی ہے۔

کمپنی بیمہ کا انتظام نجی کمپنیوں کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔ بیمہ دار اور کمپنی کے درمیان معاہدہ طے پاتا ہے بیمہ کمپنی زندگی اور موت کے وسیع اعداد و شمار اور بیمہ دار کی صحت اور اشیاء کی نوعیت، اپنے کل بیمہ داروں کی تعداد اور کل آمدن کے تناسب سے ایک قسط کی قیمت مقرر کرتی ہے جو بیمہ دار کو ماہانہ یا سالانہ باقاعدہ ادا کرنا ہوتی ہے۔ اس کے مقابل کمپنی بیمہ دار یا اس کے ورثاء کو وقوع خطرہ یا انتہائے مدت پر رقم بیمہ مع سود ادا کرنے کی پابند ہوتی ہے جس کا تعین وقت معاہدہ ہو جاتا ہے۔

بیمہ کمپنیاں اپنے روپے سے جو بیمہ داروں کی اقساط سے حاصل ہوتا ہے، وثیقے خریدتی ہیں جن پر انہیں سود ملتا ہے یا اسے اپنے کاروبار میں لگاتی ہیں۔ بیمہ زندگی اپنی حقیقت کے اعتبار سے ضمان پر مشتمل نہیں البتہ بیمہ بحری اور آگ کا بیمہ معاہدہ ضمان پر مشتمل ہے یعنی آگ لگنے اور غرق ہونے کی صورت میں اقساط کے مقابل رقم بیمہ بطور ضمان برائے تدارک نقصان ادا کی جاتی ہے۔

جب طے ہے کہ بیمہ ایک عقد اور معاملہ ہے تو اس کی صحت و جواز کا فیصلہ اسلام کے نظریۂ عقد کی روشنی میں کیا جا سکتا ہے۔

اسلامی نظریہ عقد کی رو سے فساد کی وجوہ غرر، قمار، اکراہ، فراڈ، عدم رضامندی اور معقود علیہ کا عدم وجود ہے۔

معاملہ غرر کے معنی ہیں مستور اور مشتبہ ہونا یعنی ایسا معاملہ جس میں جہالت ہو۔ یہ جہالت

Marfat.com

کبھی شی معقود علیہ میں ہوتی ہے کبھی قیمت میں بھی وقت حوالگی ثمن یا تسلیم شی معقود علیہ میں۔ یا اس کے ہونے اور نہ ہونے دونوں کا احتمال ہو یہ معاہدہ عقد کے اندر ایسی جہالت اور ابہام سے عبارت ہے۔ جو فریقین عقد کو نزاع کی طرف لے جاتی ہے۔ اس لئے اسلام نے ایسی بیع اور عقد سے منع کیا اس کی مثال پھلوں کے پکنے سے پہلے درخت پر فروخت کی ہے۔ کیوں کہ ہو سکتا ہے پکنے سے پہلے کسی آفت کے نتیجہ میں پھل ہی نہ حاصل ہو سکے۔ اسی طرح جانور کے شکم میں حمل کی فروخت وغیرہ۔

بیمہ کی پہلی دو کو چھوڑ کر تیسری قسم بیمہ جسے کمپنی بیمہ کا نام دیا گیا سراسر معاہدۂ غرر ہے کیوں کہ اس میں بیمہ کمپنی بیمہ دار سے عقد کرتی ہے اگر خاص خطرہ واقع ہوا تو وہ بیمہ دار کو مخصوص رقم بیمہ ادا کرے گی، خواہ بیمہ دار نے ایک ہی قسط ادا کی ہو اور اگر خطرہ لاحق نہ ہوا تو اختتام مدت پر وہی مخصوص رقم بیمہ بیمہ دار اور اس کے ورثاء کو ادا کرے گی جبکہ جملہ اقساط کی ادائیگی بھی ہو چکی ہو۔

اس معاملہ میں یہ یقینی امر نہیں کہ بیمہ دار کتنی رقم کتنی اقساط میں کمپنی کو ادا کرے گا۔ فرض کیا ایک شخص بیمہ زندگی میں دس ہزار کی پالیسی دس سال کے لئے ایک ہزار سالانہ پر خریدتا ہے اگر دوسرے سال اس کی موت واقع ہو جاتی ہے تو کمپنی اس کے ورثاء کو دس ہزار رقم ادا کرے گی جبکہ اس کے عوض بیمہ دار نے صرف ایک ہزار روپیہ دیا۔ گویا اس معاملہ میں اس بات کا علم نہیں کہ بیمہ کمپنی کو کتنی قسطیں حاصل ہوں گی۔ تو عقد کے "عوض" یعنی کمپنی کو ادا ہونے والی ممکنہ اقساط میں جہالت ہے۔

دوسرا کمپنی کب بیمہ دار کو بیمہ رقم ادا کرے' وہ حادثہ پر معلق ہے اور حادثہ کا وقت وقوع غیر معلوم ہے۔ لہٰذا رقم بیمہ کی ادائیگی کا وقت بھی مجہول ہے اور اس طرح اس معاہدہ کی مدت میں غرر ہے۔

یہ عقد قمار سے بھی خالی نہیں چونکہ عقد بیمہ کی روح "خطرہ کا وقوع" ہے چونکہ حوادث

Marfat.com

کا حال کسی کو معلوم نہیں کہ واقع ہوں گے یا نہیں اگر ہوں گے تو کب اور کس پیمانے پر۔ قمار کا مفہوم بھی یہی ہے۔ کیوں کہ اس میں عاقدین معاہدہ کرتے ہیں کہ ایک خاص واقعہ کے ہونے پر دوسرے کو متعین مقدار میں رقم ادا کرے گا۔ بیمہ کا مدار بھی اس نامعلوم اور مبہم نفع کی امید ہے جو بلاشبہ قمار میں داخل ہے۔

جیسے اوپر مثال میں ذکر کیا گیا کہ بسا اوقات صرف ایک قسط کی ادئیگی کے بعد موت واقع ہو جاتی ہے اور کل بیمہ رقم اس کے مقابل ورثاء کو دی جاتی ہے۔ اس طرح ایک قسط کے بدلے پوری بیمہ رقم ربا سے ہرگز خالی نہیں۔

دوسرا بیمہ کمپنی قسطوں سے حاصل شدہ رقم کو سودی کاروبار میں لگاتی ہیں اور اپنے زرکثیر کا بہت قلیل حصہ بونس یا نفع کی شکل میں دیا جاتا ہے جو بذات خود سود کے زمرے میں داخل ہے بعض لوگ اس منافع اور بونس کو کمپنی کی طرف سے تبرع اور احسان پہ محمول کرتے ہیں یہ واقعہ کے خلاف ہے۔ کیونکہ تبرع و احسان پر کسی کو مجبور نہیں کیا جاتا اور یہاں عدالتی چارہ جوئی ہوتی ہے کمپنی تجارتی اغراض و مقاصد کے لئے یہ روپیہ بڑی چالاکی سے جمع کرتی ہے اس طرح یہ ایک مفید ادارہ سرمایہ پرستوں کی حیلہ سازیوں سے سودی کاروبار کو تقویت دینے کا سبب بن گیا۔

فقہی نقطہ نگاہ سے تیسری قسم بیمہ یعنی کمپنی بیمہ خواہ زندگی کا بیمہ ہو یا اشیاء کا، بحری ہو یا بری غرر، قمار اور ربا سے خالی نہیں اور ان تین عناصر میں سے ہر ایک فساد عقد کے لئے کافی ہے، اور جو معاملہ ان تینوں پہ مشتمل ہو وہ کیوں کر شرعاً جائز ہو سکتا ہے۔ البتہ بیمہ کی پہلی دو صورتیں یعنی ریاستی اجتماعی بیمہ اور تبادلی بیمہ جیسے پہلے ذکر کیا ہے شرعاً ان میں کوئی قباحت نہیں بشرطیکہ وہ واضح سود سے پاک ہوں۔

اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ بیمہ نظریہ کے اعتبار سے ایک مفید ادارہ ہے گو اس کی عملی شکل میں کچھ قباحتیں موجود ہیں۔ اگر ان قباحتوں کو نکال دیا جائے تو نظام بیمہ کی افادیت سے انکار نہیں یقیناً اس سے ایک عظیم معاشرتی خدمات سرانجام دی جا سکتی ہے۔

Marfat.com

اجتماعی بیمہ کو فروغ دیا جانا چاہیئے۔ "ضمان علی الودیعۃ بالاجر" کے اصول پر پوسٹل انشورنس ایک اچھی سکیم ہے۔

پیشہ ورانہ اور محکمانہ انجمنیں تبادلی بیمہ کا انتظام کر سکتی ہیں۔ مثلاً ڈرائیوروں کی انجمن ایسی بیمہ کی بنیاد ڈال سکتے ہیں جس میں ممبر مخصوص چندہ ادا کریں اور کسی کو حادثہ در پیش آئے تو مجموعی اندوختہ میں سے نقصان کا تدارک کیا جائے نیز رفاہی ادارے اور خیراتی مراکز اس نوعیت کی بیمہ انجمنوں سے تعاون کریں۔

نجی بیمہ کمپنیاں بجائے سود کے شرکت اور مضاربت کی بنیاد پر اپنے کاروبار کو فروغ دیں یا بیمہ داروں کو اس بنیاد پر شریک بنائیں۔ اس ضمن میں مرکزی بیت المال اہم کردار ادا کر سکتا ہے۔ ادارہ وقف سے بھی بیمہ کے مقاصد حاصل کئے جا سکتے ہیں۔

حضرت عمر رضی اللہ تعالےٰ عنہ کے دور میں چونکہ سرکاری خزانہ میں دولت کی فراوانی تھی اور تمام تر ضروریات اور حادثات کی صورت مالی تعاون کے وسیع تر ذرائع موجود تھے۔ اس لئے بیمہ ایسے نظام کی ضرورت کا احساس نہیں ہوا۔ لیکن آج کے حالات مختلف ہیں۔ یہ ممکن نہیں کہ زکوٰۃ و صدقات جو حکومت وصول کرتی ہے اس سے جملہ نقصانات کا تدارک کیا جائے اس لئے نظام بیمہ مفید بنانے کی ضرورت ہے لہٰذا بیمہ تبادلی، رفاہی اور اجتماعی بیمہ کاری کے سود، قمار اور غرر کے مفاسد سے پاک نظام بیمہ کو تعاون، ہمدردی کے اصولوں پر استوار کیا جائے۔

علمار معاشیات کا یہ فرض ہے کہ وہ اس اہم ضرورت کی طرف توجہ دیں لہٰذا اسلامی بیمہ سازی سے اس ادارہ کو مفید بنائیں۔

Marfat.com

Marfat.com

ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ کے ترجمان "سوئے منزل" کے بارے میں چند اہم آرا۔

★ "سوئے منزل" وقت کی آواز ہے۔ احباب کو چاہیئے کہ بھرپور تعاون کریں"

حکیم محمد موسیٰ امرتسری بانی مجلسِ رضا، لاہور

★ "رسالے کا ظاہر و باطن ایک سے ایک دلنواز، ہر مضمون میں دلکشی ہے، یہ حسنِ انتخاب کی دلیل ہے"

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود۔ پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹھٹھہ، (سندھ)

★ "سوئے منزل" کا معیار بہت بلند ہے۔ مضامین ہر لحاظ سے جامع اور دلچسپ ہیں"۔ سید نور محمد قادری، گجرات

★ "آپ کا کام وقت کی ضرورت ہے، عدیم الفرصتی کے باوجود اس مبارک اور بامقصد کام میں تعاون کرونگا"

سید محمد فاروق القادری، گڑھی اختیار خان،

★ "سوئے منزل" میں آپ نے جس مقصد کو پیشِ نظر رکھا ہے وہ لائق صد تحسین ہے"۔ پروفیسر آفتاب احمد نقوی، سیالکوٹ

★ "سوئے منزل" ظاہری و باطنی محاسن سے آراستہ و پیراستہ ہے" محمد صادق قصوری، برج کلاں، قصور۔

★ سوئے منزل" ایسے مضامین لئے ہوتے ہے، جو ہر صاحب ذوق کو دعوتِ شمولیت دیتے ہیں۔ اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے خوب اور قابلِ قدر ہیں"۔

محمد منشا تابش قصوری، ایڈیٹر "ترجمان درس" مرید کے، شیخوپورہ

"سوئے منزل"

علامہ سید ریاض حسین شاہ ایم اے کی زیرِ نگرانی شائع ہونے والا دینی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا مجموعہ

آج ہی خریدار بنئے

قیمت فی کاپی، دو روپے صرف	سالانہ چندہ، دس روپے	سال بھر میں پانچ کاپیاں

شائع کردہ: ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ (رجسٹرڈ) پوسٹ بکس نمبر ۸۶۹ راولپنڈی

Marfat.com

ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ کے ترجمان "سوئے منزل" کے بارے میں چند اہم آراء

★ "سوئے منزل" وقت کی آواز ہے۔ احباب کو چاہیئے کہ بھرپور تعاون کریں"

حکیم محمد موسیٰ امرتسری بانی مجلسِ رضا، لاہور

★ "رسالے کا ظاہر و باطن ایک سے ایک دلنواز، ہر مضمون میں دلکشی ہے، یہ حُسنِ انتخاب کی دلیل ہے"

پروفیسر ڈاکٹر محمد مسعود۔ پرنسپل گورنمنٹ کالج ٹھٹھہ، (سندھ)

★ "سوئے منزل" کا معیار بہت بلند ہے۔ مضامین ہر لحاظ سے جامع اور دلچسپ ہیں"۔ سید نور محمد قادری، گجرات

★ "آپ کا کام وقت کی ضرورت ہے، عدیم الفرصتی کے باوجود اس مبارک اور بامقصد کام میں تعاون کرونگا"

سید محمد فاروق القادری، گڑھی اختیار خان،

★ "سوئے منزل" میں آپ نے جس مقصد کو پیشِ نظر رکھا ہے وہ لائق صد تحسین ہے"۔ پروفیسر آفتاب احمد نقوی، سیالکوٹ

★ "سوئے منزل" ظاہری و باطنی محاسن سے آراستہ و پیراستہ ہے" محمد صادق قصوری، برج کلاں، قصور۔

★ سوئے منزل" ایسے مضامین لئے ہوتے ہے، جو ہر صاحب ذوق کو دعوتِ شمولیت دیتے ہیں۔ اور اپنی نوعیت کے اعتبار سے خوب اور قابلِ قدر ہیں"

محمد منشا تابش قصوری، ایڈیٹر "ترجمان اہلسنت" مرید کے، شیخوپورہ

"سوئے منزل"

علامہ سید ریاض حسین شاہ ایم اے کی زیر نگرانی شائع ہونے والا دینی، تحقیقی اور اصلاحی مضامین کا مجموعہ

آج ہی خریدار بنئے

قیمت فی کاپی، دو روپے صرف	سالانہ چندہ، دس روپے	سال بھر میں پانچ کاپیاں

شائع کردہ: ادارہ تعلیماتِ اسلامیہ (رجسٹرڈ) پوسٹ بکس نمبر ۸۶۹ راولپنڈی

Marfat.com